بلاغت کی ہے کہ قسم قسم کا پہلو اور کلام سمجھے اور کہہ سکے مضمون کی تصریح تلویح سے واقف ہو نہ کہ صرف تقطیع کا استاد ہو اور حسن و قبح کچھ نہ سمجھے۔ البتہ یہ بھی شاعری کا لازمہ اور اچھا فن ہے۔ جن کو سچ مچ شاعری مقصود ہو ضرور سیکھیں تاہم میرا خیال یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے فنونِ ثلاثہ بلاغت یاد کرے۔ وہ بڑی چیز ہے۔ بلاغت نہ جاننے والا شاعر بازاری شاعری سے آگے نہیں چل سکتا اور ذی لیاقت بے بلاغت داں اپنے زور میں آپ ہی قلابازیاں کھایا کرتا ہے یہ میرا تجربہ ہے۔

تقسیم کلام

کلام دو قسم کا ہوتا ہے نثر اور نظم۔ اور اگرچہ دونوں قسموں میں اچھے اور بُرے مضامین آتے ہیں لیکن نثر میں کم اور بضرورت جھوٹ بولا جاتا ہے اور جو کچھ بولا جاتا ہے وہ لفظ بلفظ یاد نہیں رہتا۔ اِدھر مُنہ سے نکلا اور اُدھر اچھا یا بُرا فوری اثر کر کے فنا ہو گیا۔ اور کوئی نقصان ہر زمانے کے لئے المنت نہیں چھوڑ گیا۔ مگر نظم میں زیادہ اور بے ضرورت جھوٹ

بولا جاتا ہے اور لفظ بلفظ ہزاروں برس تک قائم رہتا ہے
سامع کو حرف بحرف یاد ہو جاتا ہے۔ اس کے ذریعہ سے جھوٹ
کے نقصانات پشتہا پشت منتقل ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ نثر میں جو خرافات بکا گیا وقت اور مجمع کے ساتھ
فنا ہو گیا یا کتب کی کاغذی جامدانی میں بند ہے لیکن جو زہر
نظم کی پچکاری سے زمانہ کے جسم میں داخل کیا گیا وہ اہلِ زمانہ
کی رگ و پے میں موجود ہے اور زبان بزبان منتقل ہوتا چلا
آتا ہے۔ جھوٹ کو شعر سے اس درجہ مناسبت اور تاثیر کو
ایسا تعلق ہے کہ ادنا کڑکیت کی آواز سے فوجیں لڑتی مرتی ہیں۔
کیسا ہی مبالغہ ہو ناگوار نہیں معلوم ہوتا۔ زاہد، شیخ، حرم، قبلہ،
مذہب۔ سب کی ہجو سُنکر مزاج برہم نہیں ہوتا۔ وجہ یہ ہے کہ
سامع کو اس سے دلچسپی ایسی ہوتی ہے کہ ہر ناگوار بات گوارا
ہو جاتی ہے۔ ورنہ نثر میں یہ مضامین کسی عاقل کو سُنا ؤ تو
بیہودہ بتائے، دین دار کو سُنا ؤ تو کُشت و خون تک نوبت
پہنچے۔ اور شعر میں یہ بات نثر سے زیادہ ہے کہ یاد ہو جاتا ہے،
گایا جاتا ہے، مثالوں میں کام آتا ہے۔ غرض اسی سے فتنے تازہ
رہتے ہیں اور بد خیالات منتقل ہوتے ہیں اور اگر دس ہزار میں

ایک نے شعر سے فائدہ پہنچایا یا کچھ سچ کہا وہ شمار میں نہیں اور فضیلت شعر وغیرہ جو بیان ہوتی ہے یہ ایک عادت جاریہ ہے جو مؤلف کسی فن کو لکھتا ہے۔ ضروری، سب سے بہتر اور قرآن وحدیث سے اُس کی فضیلت ثابت کرتا ہے۔ عروضیوں نے بھی اُسی سانچہ میں اپنا مادہ ڈالا ہے مگر کیا شعر اور کیا شعر کی فضیلت۔ خدا کہے میں شاعر نہیں، رسول کو شاعر نہیں بنایا۔ قرآن نثر، حدیث نثر، رسول کو شعر سے ایسی نفرت کہ شعر کو جب پڑھا ناموزوں اور نثر کرکے پڑھا۔ قرآن نے شعراء کے اتباع کو گمراہی بتایا۔ پھر فرمایا کہ شعراء جو کچھ کہتے ہیں کرتے نہیں۔ دوسری جگہ فرمایا ہے کہ اے مومنو جو کچھ تم نہیں کرتے کیوں کہتے ہو۔

پس اِن دونوں قولوں کا جو نتیجہ نکلا ظاہر ہے۔ عموماً شاعری کا تو یہ حال ہے اور خاص خاص اشعار کی یہ کیفیت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا بعض کلام سحر ہوتا ہے اور بعض شعر حکمت سے پُر ہے۔ اور صحابہؓ، تابعین، اولیاء نے شعر کہے مگر شعر کی خوبی صرف پُر حکمت اشعار، مفید کلام، راست مقولوں تک ہے نہ کہ ہمارے ہم پیشہ غزل گویوں کے لئے کہ جن کا شیوہ فسق و فجور کی ترغیب اور شرح نگاری ہے۔ بلکہ شعر کی فضیلت کی

احادیث اور اقوال کو موجودہ اور مروجہ شاعری سے متعلق کرنا اپنا ایمان بگاڑنا اور رسول پر تہمت ہے اور "شاعری جزویست از پیغمبری"۔ اس شاعری کے فن میں کہنا پیغمبری کو بے وقعت۔ شیخ عطارؒ سے بے اعتقاد کرنا اور محض افترا ہے اور قرآن و حدیث سے اس شاعری کا وجود اور جواز نکالنا آیت شریف "فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا" کا مصداق بنتا ہے۔

چونکہ اس قسم کی شاعری کی بنا تخریب اخلاق اور مفسدات پر زیادہ تھی لہٰذا اس کی توہین بھی خدا اور رسول نے زیادہ کی جیسا کہ آیات اور احادیث سے ظاہر ہے۔ البتہ کارآمد اور حکیمانہ شاعری ایک عمدہ چیز ہے۔ چنانچہ حضرت حسانؓ نے آنحضرت صلعم سے صلہ میں ردائے مبارک پائی، ملا کاشفی کو قصیدہ کے صلہ میں حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام نے خواب میں بشارت کے ذریعہ ایک سوداگر سے ہزار دینار دلوائے۔

شیخ سعدیؒ بلغ العلیٰ بکمالہ پڑھ کر آنحضرتؐ کے فرق مبارک پر مورچھل اڑاتے نظر آئے اور اسی قطعہ کو اس دولت کا باعث بتایا۔ غرض ایسے شعرا نے اپنے ہاتھ سے آپ

جنت کا محضر لکھ لیا اور ممدوح کی مُہر کرالی اللھم احشرنا منھم آمین۔ اور کون سے امور ہم نے شرع شریف کے موافق کئے جو اس میں بھی تلاش کی ضرورت پڑے علاوہ کل حدیثوں کا یہ ہے۔ "الشعر کلامٌ حسنہٗ حسنٌ وقبیحہٗ قبیحٌ"۔ شعر بھی ایک قسم کا کلام ہے جو اچھا ہو اچھا ہے، جو بُرا ہو بُرا ہے۔ افسوس کہ جانب داروں نے شعر کی شرافت میں جو کچھ پایا یاد کرلیا۔ مخالفوں نے اہانت شعر کا دفتر بھر لیا۔ تصویر کے دونوں رُخ کسی نے شعر کی نسبت صحیح نہ بتائے یہ کہنا کہ کب سے رواج ہے دشوار ہے۔ روایات کا سلسلہ بودا ہو یا مضبوط حضرت آدمؑ تک پہنچتا ہے کہ اُن حضرت نے ہابیل قابیل کے واقعہ میں مرثیہ کہا تھا کیا عجب ہے کہ کہا ہو۔ یہ سچ ہو یا جھوٹ تاہم ہزارہا برس پہلے تک شاعری کا وجود مختلف مذاہب کی کتب سے پایا جاتا ہے۔

خلیل ابن احمد نے مکہ شریف میں عربی میں اس کے قواعد جمع کرکے ایک علم یا ایک فن بنا دیا۔ اس کے بعد کی اور فاضلوں نے مناسب ترمیم کی۔ تین شخصوں نے تین

بحریں اور ایجاد کیں اقسام کلام رفتہ رفتہ مقرر ہوئے۔ رباعی حکیم رودکی نے ایجاد کی۔ ردیف اہل فارس نے اختراع کی اور رفتہ رفتہ ایجاد ہوئی۔ لیکن اجتہادی مادہ نہ رہا شاید آئندہ کوئی پیدا ہو۔ صحابہ، تابعین، اولیا اکثر شاعر تھے۔ مگر ہم سے شاعر نہ تھے کہ حافظ صاحب نے شراب کے تذکرے اور تعریف اور معنی میں کی۔ ہم نے ان اقوال کو سنت شعرا ہی سمجھ لیا۔ اگر اسی طرح اور چند روز زمین شعر میں انگور کی کاشت ہوتی رہی تو چار پشت بعد جانشینوں کے لئے ہمارا کلام شراب نوشی کا اجازت نامہ اور دستور العمل ہوجائیگا اور "رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ" کی جگہ "طیب من عمل الرحمٰن فاشربوہ" سمجھا جائے گا۔ کیونکہ ادھر تو فاتح قوم کی اقبال مندی کا اثر جس نے بے انگریزی پڑھے سوٹ بوٹ پہنایا اُدھر شعرا کی شیریں بیانیاں، شراب حلال کیوں نہ ہوگی۔ استغفر اللہ کجا بود چہ کجا تاختم۔

تعریف شعر

کلام موزوں مقفی کو جو قصداً کہا جائے شعر کہتے ہیں۔

دمجھ کو اس تعریف سے اختلاف ہے۔مگر مبتدی کو یہی یاد کرلینا مناسب ہے۔یہ تمام مباحث منتہی شعرا کے لئے ہیں)

تقطیع

شعر دو مصرعوں سے مرکب ہوتا ہے اور ہر مصرعہ کسی خاص وزن کا ہوتا ہے اسی کو بحر کہتے ہیں۔ اور زیادہ استعمال میں آنے والی بحریں تین یا چار الفاظ سے مرکب ہوتی ہیں۔ جیسے فاعلاتن فاعلاتن فاعلات اور فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یہ الفاظ پھر دو حرفی سہ حرفی ٹکڑوں سے مرکب ہوتے ہیں جیسے فاعلاتن فا۔ علا۔ تن' سے مرکب ہے اور یہ دو حرفی تین حرفی ٹکڑے ساکن اور متحرک حرفوں سے اور وزن میں صرف ساکن اور متحرک ہی کی ترتیب بدلنے سے وزن بدل جاتا ہے۔ مثلاً

ع۱ بحریں چھوٹی بھی اس قدر ہوتی ہیں کہ ایک ایک لفظ کا ایک مصرعہ ہوتا ہے اور آٹھ آٹھ رکن سولہ سولہ رکن بتیس بتیس رکن۔ چونسٹھ چونسٹھ رکن اور اس سے زیادہ کا بھی ایک ایک مصرعہ ہوتا ہے مگر کم۔ بعض نے پانچ پانچ رکن کا بھی مصرع لکھا ہے۔ رکن سے مراد وہ لفظ ہے جس سے بحر مرکب ہوتی ہے۔ جیسے فاعلاتن ایک رکن ہے۔

ہمارے پاس سات حروف ہیں اس کے ہم نے تین ٹکڑے
بنا لئے ہیں۔ ایک تین حرفی ، دو دو حرفی۔ اب ان سے ہم
مختلف ترتیب سے مختلف شکلیں بناتے ہیں تو یوں تین صورتیں
پیدا ہوتی ہیں ≡ = = ایک صورت = = ≡
دوسری صورت = ≡ = تیسری صورت پہلی صورت
میں سہ حرفی حصہ پہلے رکھا اور دو دو حرفی بعد میں رکھے۔
پھر انہیں ٹکڑوں کو دوسری دفعہ۔ سہ حرفی کو بعد میں رکھ دیا
تیسری صورت میں سہ حرفی کو دونوں دو حرفی لفظوں کے
بیچ میں رکھا اب ان ٹکڑوں سے کوئی چوتھی صورت مرکب نہیں
ہو سکتی۔ اب لکیروں کی عوض حرفوں میں ملاحظہ فرمائیے۔

فاعلاتن "= ≡ =" کی یہ شکل ہے۔
علاتن فا "≡ = =" کی یہ شکل ہے۔
تن فاعلا "= = ≡" کی یہ شکل ہے۔

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ دو لفظوں کے ہم وزن ہونے کے
لئے اس قدر کافی نہیں ہے کہ حرف گنتی میں برابر ہوں بلکہ
لفظ کے دو حرفی سہ حرفی حصے بھی دونوں یعنی مصرعہ اور وزن
کی ایک ہی ترتیب سے ہوں اور اس ترتیب کے ساتھ یہ بھی شرط

ہے کہ دونوں کے سکون اور حرکت بھی مقابل رہیں۔ مثلاً
تم چلوگے۔ سات حرفوں سے مرکب ہے۔

اور مستفعلن مس۔ تف۔ علن۔

اور مفاعیلن۔ مفا۔ عی۔ لن۔

اور فاعلاتن۔ فا۔ علا۔ تن۔

یہ تینوں الفاظ بھی سات سات حرفوں سے مرکب ہیں
اور تینوں کی یہ تین صورتیں ہیں = = ≡ + ≡ = =
= ≡ = +

پس اگر صرف حرفوں کی گنتی برابر ہونے سے ہم وزن ہونا لازم آتا تو یہ جملہ کہ تم چلوگے۔ فاعلاتن۔ فاعیلن۔ اور مستفعلن تینوں کے وزن پر کہلاتا حالانکہ یہ غلط ہے۔ تم چلوگے کسی ایک وزن کے رکن پر ہوگا۔ پس اب دیکھا کہ ٹکڑے کتنے کتنے حروف سے مرکب ہیں۔ معلوم ہوا کہ اس میں تین ٹکڑے ہیں۔ پہلا دو حرفی دوسرا سہ حرفی تیسرا پھر دو حرفی۔ اب تین شکلوں میں دیکھا کہ اس کے مطابق کون سی شکل ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ ترتیب تیسری شکل فاعلاتن میں موجود ہے۔ فا۔ علا۔ تن۔ تم۔ چلو۔ گے اوّل دو حرفی دوم حصہ سہ حرفی۔ سوم دو حرفی۔ اور فا میں پہلا

متحرک دوسرا ساکن، اسی طرح 'تم' میں۔ علا میں پہلے دو حرف متحرک تیسرا ساکن، اسی طرح 'چلو' میں۔ تن میں پہلا متحرک دوسرا ساکن، اسی طرح 'گے' میں۔ پس جب اسی طرح تمام ساکن اور متحرک حروف آپس میں برابر اور مقابل ہوں تو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ جملہ یا مصرعہ اس وزن کا ہے۔ اگر کمی بیشی دیکھے درست کرے۔ پس اس تحقیق کے بعد یہ ثابت ہوا کہ 'تم چلوگے' فاعلاتن کے برابر ہے۔ مفاعیلن، مستفعلن، متفاعلن، مفاعلتن، مفعولاتُ کے برابر نہیں ہے۔ اگرچہ یہ الفاظ سات سات ہی حرفوں سے مرکب ہیں مگر 'تم چلوگے' کا ہم وزن سوائے فاعلاتن کے کوئی دوسرا نہیں۔ اس تقریر سے یہ نتائج نکلے

(۱) ممکن ہے کہ دو مصرعوں کے حروف برابر ہوں مگر وزن برابر نہ ہو اور دو حرفی سہ حرفی ٹکڑوں کی ترتیب بدلنے سے بدل جائے۔

(۲) فقط کسی وزن سے مصرعہ کے حرفوں کا شمار میں برابر ہونا ہم وزن ہونے کا ثبوت نہیں ہے بلکہ متحرک اور ساکن حرفوں کا مقابلہ بھی شرط ہے۔

(۳) تقطیع میں زیر کا زیر سے، زبر کا زبر سے پیش کا پیش سے، مقابلہ ضروری نہیں بلکہ ساکن کے مقابلہ میں ساکن، متحرک کے

مقابلہ میں متحرک ہونا کافی ہے۔ اب یہاں سے تقطیع کا بیان مفصّل کیا جاتا ہے۔

اصول

تقطیع میں تلفظ کا اعتبار ہے، تحریر کا نہیں۔ جو حرف لکھا ہو مگر پڑھنے میں نہ آئے وہ تقطیع کے شمار سے خارج سمجھا جاتا ہے۔ جیسے خود کی واو تحریر میں ہے مگر پڑھنے میں نہیں آتی اس لئے خود کو دو حرفی لفظ بنائیں گے۔ اور آم۔ اگرچہ دو حرفی لفظ ہے لیکن الف کھینچ کر پڑھا جاتا ہے تین حروف سمجھیں گے۔ جیسے آم دو۔ فاعلن کے برابر ہے۔ 'دو الف' فا کے برابر 'م' دو علن کے برابر۔

(۲) دو ساکن برابر نہیں آتے اگر کہیں آجائیں تو ہمیشہ دوسرا ساکن متحرک سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اگر آخر مصرعہ میں یہ صورت ہو تو جائز ہے۔ اور اسی قاعدہ کے بموجب 'آم دو' فاعلن کے ہم وزن ہوا ورنہ آم دو میں تیسرا حرف میم ساکن ہے اور فاعلن میں تیسرا حرف عین متحرک۔ اسی قاعدہ نے ان کو ہم وزن کر دیا ہے۔

(۳) الف ممدودہ دو حروف کے شمار میں ہے۔ اسی طرح زیر جب کھینچ کر پڑھا جائے تو ایک حرف کے برابر شمار ہوتا ہے۔

جیسے ۔مِن بیدل ۔جب کہ اضافت زیادہ زور سے پڑھی جائے تو مفاعیلن کی برابر ہے ۔ مِن مع اضافت کے تین حروف، دو متحرک اور ایک ساکن کا مجموعہ ہوا مفا بھی ایسا ہی ہے دونوں برابر ہوئے ۔اور بیدل میں دو دو، دو حرفی حصّے ہیں ۔عیلن میں بھی یہی حالت ہے ۔اس واسطے مِنے بیدل اس صورت میں آکر مفاعیلن کے برابر ہوگیا ۔اسی طرح طاؤس کی واوٗ پیش ایک حرف سمجھا جاتا ہے اور مفعول کا ہم وزن ہے طا ۔مف، ؤوس ،عول، اور رحمٰن کا الف ۔

(۴) حرف مشدّد دو حرف کے برابر سمجھا جاتا ہے جیسے خُرّم ۔فَعْلُن کے برابر ہے ۔

(۵) تین ساکن ہوں تو تیسرا ساکن گرا دیا جائے گا اور دوسرا ساکن متحرک کرلیں گے جیسے دوست آیا ۔ فاعلاتن ۔ دو فا، س اا ۔ علا، یا ۔ تن ۔ دوست کی 'ت' تیسرا ساکن تھا گرا دیا گیا ۔سین دوسرا ساکن تھا ۔متحرک ہوگیا ۔ الف ممدودہ تھا وہ دو الف سمجھا گیا ۔ فاعلاتن کا وزن ہوگیا ۔

(۶) جو الف کسی لفظ میں اول ہو اور اس پہلے لفظ کے آخر کا حرف الف کے بعد کے حرف سے پڑھنے میں مل جائے تو یہ

ملنا اور الف کا گر پڑنا جائز ہے۔ اور یہ الف تقطیع میں نہیں گنا جاتا جیسے دل اس کا گر اُس پر فدا ہے تو کیا ہے، اس مصرعہ میں لام سین سے مل کر پڑھا گیا اور گز کی رے اس کے سین سے جا ملی۔ اس واسطے دل اور گر کے بعد اِس اور اُس کا الف گر گیا اور تقطیع میں شمار نہ ہوا۔ مگر اس قیاس پر اور حرف کا گرنا جائز ہے جیسے یہ ابراہیم علی خاں کا محل ہے۔ ابراہیم کا میم علی کے لام سے مل کر ابراہی ملے، ہو گیا۔ اور اگر عین کو بچایا تو ابراہی علی ہو گیا۔ غرض دو تین سے ایک حرف ضرور گرے گا یہ امر نا جائز ہے۔

(۷) واؤ عاطفہ جب کہ ہلکی آواز سے پڑھی جائے تقطیع میں کالعدم سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح تو وغیرہ کی واؤ اور واؤ معدولہ جیسے خواب، خوان، خواجہ میں کالعدم ہے۔

(۸) گریہ، خندہ، کہ، چہ کی ہائے ہوز جب کہ محض ہلکی آواز سے پڑھی جائے ایک حرف شمار نہیں ہوتی۔ لیکن اگر مضاف یا موصوف یا کسی اور وجہ سے ملفوظ ہو یا آخر مصرعہ میں واقع ہو تو شمار کی جاتی ہے۔ اسی طرح ہائے ہوز جیسے گھر، پھر میں ہے شمار میں نہیں آتی۔

(۹) نون غنہ تقطیع میں ایک حرف نہیں گنا جاتا ہے جب کہ

مصرعہ کے درمیان میں ہو جیسے۔ جاں، چوں، چیں۔

(۱۰) تنوین ایک حرف گنی جاتی ہے جیسے عمداً تین حرفی لفظ ہے مگر تنوین کے سبب سے چار حروف ہو کر فعلن کے برابر ہو گیا۔

(۱۱) اور حروف جو نہیں پڑھے جاتے جیسے عبداللہ کا الف عبدالرشید کا الف اور لام۔ ابوالفضل میں واؤ اور الف ابی الفضل میں یا اور الف ابالفضل میں ابا کا الف مخلوط التلفظ حروف جیسے منہ کا نون ہنسنا کا نون اور بعض جا اور حرف جو دب کر پڑھے جاتے ہیں تقطیع میں شمار نہیں ہوتے۔ مگر یہ دبنا الف واؤ اور یا تک جائز ہے حرف کے لئے نہیں۔

اصول ارکان

اردو فارسی زبان کے الفاظ دو حرفی سہ حرفی اجزا سے مرکب ہیں کیونکہ تقطیع میں دو اور تین ساکن کی تو گنجائش ہی نہیں۔ اہل عرب نے اپنی زبان کے لئے چار حرفی جزو لفظ بھی مانا ہے لیکن ہماری زبان کے تمام الفاظ دو حرفی سہ حرفی اجزا سے مرکب ہیں اور انہیں دو قسم کے اجزا سے

تقسیم ہو سکتے ہیں۔ مثلاً دل، سر، عنصر، ان میں دو حرفی اجزا ہیں پہلے دونوں ایک ہی دو حرفی جزو ہیں۔ تیسرا لفظ دو دو حرفی ٹکڑوں سے مرکب ہے ' نہ رہی ہوس' دو دو حرفی اجزا اور ایک سہ حرفی جزو سے مرکب ہے اس کی کیا ضرورت ہے کہ ہم الفاظ کی ترکیب اور تقطیع میں بہ تقلید عربی تین یا چار اجزا کے قائل ہوں بلکہ دو اصول، ایک دو، ایک تین حرفی ہماری ضرورت کو کافی ہے۔

ہر کتاب میں یوں بیان کیا جاتا ہے کہ عروض کی اصطلاح میں دو حرفی کو سبب کہتے ہیں۔ اگر اول متحرک ہو اور دوسرا ساکن تو وہ سبب خفیف ہے اور دونوں متحرک ہوں تو سبب ثقیل ہے۔ پس اول سبب خفیف ہے اور جب مضاف ہو جائے یا موصوف ہو جیسے دلِ من یا دلِ بریاں، تو یہ سبب ثقیل ہے۔ سہ حرفی جزو لفظ یا لفظ وتد ہے۔ اگر دو اول متحرک ہوں اور آخر ساکن تو وتد مجموع ہے۔ اگر اول اور آخر میں متحرک بیچ میں ساکن ہو تو وتد مفروق ہے نظر وتد مجموع ہے اور نظم آبلار میں نظم باضافت وتد مفروق ہے۔ جن سہ حرفی الفاظ کے آخر ہاء ہوز اظہار حرکت کے واسطے

ہو وہ بھی بمنزلہ دو حرفی کے ہیں جیسے ہمہ، رمہ اور جن چار حرفی ہیں یہ کیفیت ہو وہ سہ حرفی کے برابر ہیں جیسے لالہ، ژالہ۔ چار حرفی جزو لفظ جس میں پہلے تین حرف متحرک اور چوتھا ساکن ہو جیسے نجلو، نکند۔ اس کو فاصلہ صغرا کہتے ہیں اور اسی طرح چار متحرک حروف کے بعد پانچواں ساکن ہو تو اس کو فاصلہ کبریٰ کہتے ہیں جیسے بِزَنَمَش، شِکَنَمَش۔ تو اب حرفوں کے مجموعے جزو لفظ ہوں یا لفظ یا الفاظ تین طرح کے ٹھیرے اور پھر ہر قسم کی دو دو شاخیں ہوئیں۔ اس لئے کل چھ قسم کے مجموعے سبب خفیف۔ سبب ثقیل۔ وتد مجموع۔ وتد مفروق۔ فاصلہ صغریٰ۔ فاصلہ کبریٰ ہوئے۔

میرے نزدیک اردو فارسی میں یہ تین اصول ماننا اور ہر ایک کی دو قسمیں کرنا کچھ ضروری نہیں۔ عربی کی مناسبت عربی کے ساتھ رہے اردو فارسی کو کیا تین متحرک ایک ساکن اچھا خاصہ سبب خفیف اور سبب ثقیل کا مجموعہ ہے جیسے نجلو، ن، ج، سبب ثقیل۔ لُ و، سبب خفیف۔ اسی طرح فاصلہ کبریٰ۔ ایک سبب ثقیل۔ اور ایک وتد مجموع سے مرکب ہے جیسے شِکَنَمَش۔ شِ کَ، سبب ثقیل۔ نَ مَ ش، وتد مجموع۔

پس تمام الفاظ سبب اور وتد ان دو چیزوں سے مرکب ہیں نہ فاصلہ کی ضرورت، نہ فاصلہ کی حاجت۔

ارکان کا بیان

بعض اشعار صرف سببوں سے مرکب ہیں جیسے لو تم چل کر میلا دیکھو۔ بعض صرف وتد سے مرکب ہیں جیسے کہا کرو نہ حال دل۔ مگر اکثر کلام سبب اور وتد سے مرکب ہوتا ہے اور

بعض حضرات نے اردو فارسی کی مناسبت سے اور بھی ایجاد کی مگر میرے نزدیک کوئی ضرورت نہیں یعنی وہ ہر اصول کی دو قسموں کی تین تین قسمیں مقرر کرنی چاہتے ہیں

سبب خفیف۔ اول متحرک دوم ساکن۔ 'دل'۔

سبب ثقیل۔ اول اور دوم متحرک 'دلِ باضافت'۔

سبب متوسط۔ ایک متحرک دو ساکن 'میر'۔

وتد مجموع۔ دو متحرک ایک ساکن 'نظر'۔

وتد مفروق۔ اول آخر متحرک بیچ میں ساکن 'صید'۔

وتد کثرت۔ دو متحرک دو ساکن 'عیاں'۔

فاصلہ صغریٰ۔ تین متحرک ایک ساکن 'نچلو'۔

فاصلہ کبریٰ۔ چار متحرک ایک ساکن 'برتمش'۔

: فاصلہ فظمی۔ پانچ متحرک چھٹا ساکن '+'

میرے نزدیک تقطیع کے اغراض کے لئے ان سب کا کام سبب اور وتد کل سکتا ہے
جس کو سبب متوسط کہا ہے وہ وتد مفروق ہے اس لئے کہ دو ساکن ایک جا
نہیں آتے اس لئے 'کار' اور 'بار' کے آخر کا حرف متحرک ہوگا۔ پس الف کے اول
متحرک بعد متحرک بیچ میں خود ساکن یہ وتد مفروق ہوا۔

وتد کثرت یہ بھی الفظ اس لئے کہ اگر چوتھا حرف نون غنہ ہوگا تو گر جائیگا۔
تین حرف جو رہے' دو متحرک ایک ساکن وتد مجموع ہو گیا۔ اگر چوتھا حرف کچھ اور
ہوگا وہ ضرور دوسرا ساکن ہونے کی وجہ سے متحرک ہو جائے گا اور اپنے بعد کے
حرفوں سے مل کر کوئی صورت پیدا کرے گا۔ جیسے عیاں۔ نون غنہ خارج
از بحث عیَا وتد مجموع بہار۔ بہَا۔ وتد مجموع۔ اور 'ر' کسی اپنے بعد کے حرف
سے مل کر سبب یا وتد بن جائے گی اور یہ ممکن نہیں کہ 'ر' متحرک ہو جائے
اور اس کے بعد کچھ نہ ہو کیونکہ آخر مصرعہ میں دو ساکن ناجائز نہیں اور بیچ میں
جہاں ناجائز ہیں وہاں دوسرا ساکن متحرک ہونے کے بعد حرف کا کال نہیں۔ فاصلہ
کی نسبت پہلے ہی عرض کر چکا ہوں۔ فاصلہ کی تیسری قسم بھی تین سببوں کا مجموعہ
ہے اصطلاحوں کی وجہ تسمیہ اور مناسبت کا سوچنا بےفائدہ کوشش ہے
وتد مجموع کو وتد مقرون بھی کہتے ہیں۔ سبب کے معنی رسّی۔ وتد کے
معنی میخ۔ فاصلہ کے معنی ستون +

دس لفظوں یا ان کی شاخوں سے تقطیع کیا جا سکتا ہے۔ اُن دس الفاظ کو ارکان کہتے ہیں اور شاخوں کو فروعات۔ وہ ارکان یہ ہیں۔

فعولن۔ فاعلن۔ مستفعلن۔ مفاعیلن۔ فاعلاتن۔ متفاعلن۔ مفاعلتن۔ مفعولات۔ فاع لاتن۔ مس تفع لن۔

فعولن اول وتد مجموع بعد سبب خفیف۔ فاعلن اول سبب خفیف بعد وتد مجموع۔ ان دونوں ارکان میں اتحاد قلبی ہے کیونکہ جو ایک میں ہے وہی دوسرے میں ہے۔ صرف سبب وتد کی ترکیب جدا ہے۔

مستفعلن۔ دو سبب خفیف اول ایک وتد مجموع بعد مفاعیلن، مستفعلن کا اُلٹا یعنی وتد مجموع پہلے اور دونوں سبب خفیف بعد۔ فاعلاتن ایک وتد مجموع دو سببوں کے بیچ میں، ان تین ارکان میں اتحاد قلبی ہے۔ کیونکہ ہر اک کی تعمیر دو سبب خفیف اور ایک وتد مجموع سے ہے۔

متفاعلن۔ اوروں کے نزدیک ایک فاصلہ صغریٰ اور ایک وتد سے مرکب ہے۔ مگر میرے نزدیک ایک سبب ثقیل، ایک سبب خفیف اور ایک وتد مجموع سے مرکب ہے۔ مفاعلتن بھی ایک وتد ایک سبب ثقیل ایک سبب خفیف سے مرکب ہے

ان دو رکنوں میں اتحاد قلبی ہے کیونکہ دونوں کی تعمیر میں ایک ہی سے اصول ہیں صرف ترتیب کا فرق ہے۔

مفعولات۔ اس کی تعمیر سب سے جدا ہے، دو سبب خفیف اول اور ایک وتد مفروق بعد۔

فاع لاتن۔ یہ وہی فاعلاتن ہے، صرف فاع کہنے سے اصول کی ترتیب بدل گئی۔ فاعلاتن میں اول سبب خفیف بعد وتد مجموع تھا اب اول میں وتد مفروق اور بعد میں سبب خفیف ہوگیا۔ اسی واسطے اس کو فاعلاتن متصل، اُس کو فاعلاتن منفصل کہتے ہیں

مس تفع لن۔ یہ وہی مستفعلن ہے۔ صرف تفع کہنے سے اصول کی ترتیب بدل گئی ہے۔ اسی واسطے اِس کو متصل اور اُس کو منفصل کہتے ہیں۔

بعض بحریں ان ارکان میں سے ایک کے چند بار کہنے سے بن جاتی ہیں اور بعض دو ارکان کی تکرار سے بنتی ہیں اور بحروں میں جو ان الفاظ کے علاوہ اور الفاظ پائے جاتے ہیں وہ انہی میں سے کسی کی شاخ ہوتی ہیں۔ اور ایک رکن کی شاخ بنانے کا یہ اصول ہے کہ یا کچھ کم کردیا ہے یا کچھ زیادہ کردیا ہے یا متحرک کو ساکن کردیا ہے۔ موقع پر اس کی تفصیل معلوم ہوگی۔ اور بعض بحریں اصل میں مسدس تھیں اہل عجم نے ان کو مثمن کرلیا ہے اس کے سوا اور بھی دخل دیا ہے۔ ہماری طرح قدم بقدم اپنے متقدم کے خوش اعتقاد نہیں بنے اور جہاں تک ضرورت اور

گنجائش پاتے تھے دخل دیتے تھے۔ اوراب توکم ہمتی کی یہ کیفیت ہے کہ علوم عقلی کو بھی علوم نقلی سمجھ لیا ہے اور جہاں کسی عالم سے عالم اور ماہر سے ماہر نے بھی کچھ دخل دیا اور چار طرف سے ملامت کا چھرّہ پڑا اور اگر وہ بھی ضعیف القلب ہوا تو اپنے مقابلہ میں کسی عروضی کے نام سے ایسا متاثر اور منفعل ہو جاتا ہے کہ گویا نص صریح کے خلاف کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جب عروض میں ابتدا ہی سے خلیل بن احمد کے خیالات کی ترمیم ہوتی رہی تو اب کیوں رد کا جاتا ہے جب ضرورت ہو ترمیم کی جائے۔ عوام کا تو یہی طریقہ ہے کہ ہمیشہ نیا کام کرنے والے کو ملامت ہی کیا کرتے ہیں۔ مگر اس عالم پر افسوس ہے جو بازاریوں کی مزاحمت سے ڈرکر رُک جائے اور اس کے استقلال میں فرق آئے۔ بلکہ ہر لائق آدمی کو چاہئے کہ تحقیق کے بعد جو کر سکتا ہو کرے اور اس قسم کی ملامت کو شنفتِ جہلا سمجھے۔ ہاں اگر اس فن کے نقاد بدلائل سمجھادیں تو اپنے خیال کے موافق صحت کرے۔

یہ قاعدہ ہے کہ نقلی علوم میں تو جس قدر موجد سے دوری ہوتی جاتی ہے۔ روایت ضعیف اور دور والوں کا قول بے اعتبار ہوتا جاتا ہے اور موجد کے قریب زمانہ کے لوگوں کا قول معتبر

ہوتا ہے اور جو علوم عقلی ہیں ان میں موجد کے بعد جس قدر زمانہ گزرتا جاتا ہے تجربات شریک ہوتے جاتے ہیں اور ترمیم کی بدولت دن بدن خوبیاں پیدا ہوتی جاتی ہیں اور اور خرابیاں نکلتی جاتی ہیں اور جب یہ ٹھیرا کہ علوم کی تکمیل اور ترمیم ہوتی رہتی ہے تو جو شخص کر سکتا ہو اور نہ کرے تو یہ سمجھے کہ اس نے خیانت کی۔

ان دس ارکان کے ذریعہ سے اُنیس بحریں بنی ہیں۔ بعض ایک لفظ کے کئی بار کہنے سے اور بعض دو لفظوں کے بار بار کہنے سے شلاً۔ مفاعیلن۔ مفاعیلن مفاعیلن۔ مفاعیلن، مفعول۔ فاعلاتن مفعول۔ فاعلاتن۔ ان بحروں میں سے بعض فقط عربی میں آتی ہیں اہل فارس نے ان کو استعمال نہیں کیا اور نا مطبوع سمجھا۔ اسی طرح خلیل کے بعد جو بحریں کہ اہل عجم نے ایجاد کیں یا ترمیم کیں وہ عربوں کے استعمال سے خارج ہیں۔ اسی طرح اردو دانوں نے جو پسند کیا وہ حصہ برتا اور چند بحروں میں جو روانی کے ساتھ بغیر لغزش کے منہ سے نکل سکتی ہیں ان کو برتا باقی کو چھوڑ دیا۔

اُوپر بیان ہو چکا ہے کہ بعض ارکان میں اتحاد قلبی ہے۔ اس واسطے یہ مقرر کر لیا ہے کہ جو بحریں ایسے ارکان سے بنیں ان کو ایک دائرہ کا کہتے ہیں اس واسطے کہ جو اتحاد ارکان سے بنتے ہیں سبب وتد

کی تعداد میں اور ساکن متحرک حرفوں کے شمار میں آپس میں ایک ہی ہوتے ہیں صرف سبب وتد کی ترتیب کے فرق سے آواز کی پستی بلندی اور لب ولہجہ میں جدا جدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً۔ فاعلن۔ فاعلن۔ فاعلن۔ فاعلن۔ اور فعولن فعولن فعولن فعولن۔ ان دونوں کا ہر رکن پنج حرفی ہے۔ ہر اک کے تمام حروف بیس ہوئے۔ ہر وزن میں چار رکن ہیں۔ ہر وزن میں چار سبب خفیف اور چار وتد مجموع ہیں۔ گویا ہر امر میں ایک ہیں صرف فرق ترتیب کا ہے کہ فاعلن میں سبب پہلے اور وتد بعد میں ہے اور فعولن میں وتد پہلے اور سبب بعد میں ہے اس واسطے یہ دونوں بحریں ایک دائرہ کی کہلاتی ہیں اور سچ ہے کہ جو مناسبت ان کو آپس میں ہے اوروں سے نہیں ہے۔

عروض کی اصطلاح میں جس بحر کے ایک مصرعہ کے لئے دو رکن اور پورے شعر کے لئے چار رکن ہوں اس کو مربع کہتے ہیں جس کے پورے شعر کے لئے چھ رکن ہوں اس کو مسدس جس کے پورے شعر میں آٹھ رکن ہوں اس کو مثمن کہتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک مصرعہ میں جتنے رکن ہوں اس کے دو گنے کے لحاظ سے بحر کا نام رکھا جاتا ہے۔ ایک مصرعہ میں چار رکن ہوں اس کو مربع کہنا چاہئے کیونکہ چار کو اربع کہتے ہیں لیکن پورے شعر میں آٹھ رکن

آتے تھے تو کیا کام کیا کہ مثمن نام رکھ دیا کیونکہ ثمانیہ آٹھ کو کہتے ہیں یہ مقام ذرا غور طلب ہے کہ بحر اور وزن تو اُتنے ارکان کا نام ہے جتنے ایک مصرعہ میں ہوتے ہیں اور نام رکھا گیا دو گنے کے لحاظ سے اور عروض کی اصطلاح میں پہلے مصرعہ کے رکن کو صدر کہتے ہیں۔ اور اول مصرعہ کے آخر رکن کو عروض اور درمیان میں ایک دو یا زیادہ رکنوں کو حشو کہتے ہیں اور دوسرے مصرعہ کے پہلے رکن کو ابتدا اور آخر کے رکن کو ضرب اور درمیانی کو حشو کہتے ہیں۔

اس کا فائدہ آئندہ معلوم ہوگا ورنہ ضرورت کے وقت ان اصطلاحوں کا بغیر شعر کے ہر حصّہ کا پتہ دینا دشوار ہو جاتا ہے اور اصطلاحوں کا یاد کر لینا بہت ضروری ہے کیونکہ انہیں کے آنے پر کسی علم کے آنے نہ آنے کا امتحان ہوا کرتا ہے۔ اور لوگ فقط دو چار اصطلاحوں کے آنے پر فن کی واقفیت کا اندازہ کر لیا کرتے ہیں۔

بحروں کا بیان

ان ارکان سے اُنیس بحریں نکالی گئی ہیں۔ ان میں سے سات مفرد ہیں یعنی ایک ہی رکن کو بار بار کہنے اور بقیہ دو رکن کی تکرار سے پیدا ہوتی ہیں۔

ایک رکنی بحریں

متقارب ۔ متدارک ۔ رجز ۔ ہزج ۔ رمل ۔ کامل ۔ وافر ۔

متقارب ۔ فعولن چار بار ۔ متدارک ۔ فاعلن چار بار ۔ (ایک دائرہ) رجز ۔ مستفعلن چار بار ۔ ہزج ۔ مفاعیلن چار بار ۔ رمل ۔ فاعلاتن چار بار (یہ تین بحریں ایک دائرہ کی ہیں) کامل ۔ متفاعلن چار بار ۔ وافر ۔ مفاعلتن چار بار (یہ دونوں بحریں ایک دائرہ کی ہیں)

سات بحریں جو ایک رکن سے پیدا ہوتی ہیں مذکور ہو چکیں اب دو رکنی بارہ بحروں کے ارکان لکھے جاتے ہیں ۔

دو رکنی بحریں

طویل ۔ مدید ۔ بسیط ۔ مضارع ۔ مقتضب ۔ مجتث ۔ منسرح ۔ سریع ۔ جدید ۔ قریب ۔ خفیف ۔ مشاکل ۔

کامل، وافر، رجز، مسدس الاصل ہیں اہل عجم نے مثمن کر لیا ہے اور تین بحریں اور جدید، قریب اور مشاکل اہل عجم نے ایجاد کی ہیں ۔ اور یہ تینوں مسدس ہیں ۔

طویل فعولن مفاعیلن فعولن مفاعیلن ۔

۲ مدید ۔ فاعلاتن فاعلن فاعلاتن فاعلن ۔

۳ بسیط مستفعلن فاعلن مستفعلن فاعلن ۔ یہ تینوں بحریں ایک دائرہ کی ہیں

مضارع مفاعیلن فاع لاتن مفاعیلن فاع لاتن ۔

۵ مقتضب مفعولات مستفعلن مفعولات مستفعلن ۔

۶ مجتث مس تفع لن فاعلاتن مس تفع لن فاعلاتن ۔

۷ منسرح مستفعلن مفعولات مستفعلن مفعولات ۔ یہ چار بحریں بھی بہ تکلف ایک دائرہ کی ہیں ۔

۸ سریع مستفعلن مستفعلن مفعولات ۔

۹ جدید ۔ فاعلاتن فاعلاتن مستفعلن ۔

۱۰ قریب مفاعیلن مفاعیلن فاعلاتن ۔

۱۱ خفیف ۔ فاعلاتن مس تفع لن فاعلاتن

۱۲ مشاکل ۔ فاعلاتن مفاعیلن مفاعیلن ۔ یہ پانچ بحریں بھی بتکلف ایک دائرہ کی ہیں

بہ تکلف سے یہ مراد ہے کہ ارکان جب تک سالم رہیں ایک دائرہ کی نہیں اور جب کچھ با قاعدہ تغیر پیدا ہو جائے تو ایک دائرہ کی ہو جاتی ہیں ۔

زحافات کا بیان

زحف بالفتح کے معنی لغت میں تیر کا نشانہ سے دور پڑنا ہے

اور عروضیوں کی اصطلاح میں رکن کے تغیر کو کہتے ہیں خواہ کچھ بڑھاکر ہو۔ جیسے فعولن سے فعولان یا کچھ کم کرنے سے ہو جیسے فعولن سے فَعَلُ یا متحرک کو ساکن کرنے سے جیسے مفعولاتُ بالضم تا سے مفعولاتْ بسکون تا۔

زحاف کی ضرورت اس لئے ہوتی ہے کہ بعض بحریں اصلی حالت میں جن کو سالم کہتے ہیں خوشنما نہیں معلوم ہوتیں اونا تغیر سے نہایت دلچسپ ہو جاتی ہیں۔ مثلاً مستفعلن مستفعلن مفعولات ایک سالم بحر تھی اس کو مزاحف کیا اور اتنے سے تغیر سے خوشنما ہو گئی۔ مفتعلن مفتعلن فاعلن ہو گئی۔ دوسرے یہ کہ زحافات کی وجہ سے ایک خوب صورت وزن سے دوسرا خوب صورت وزن نکلنے لگا۔ تیسرے جتنے وزنوں میں شعر کہا جاتا تھا وہ تمام وزن کچھ اصل ٹھیرے گئے اور کچھ شاخیں اس طرح تمام چند بحروں میں تقسیم ہو گئے۔ اگر زحافات نہ ہوتے تو تمام اوزان چند بحروں میں منضبط نہ ہو سکتے۔ ہر وزن ایک بحر کہلاتا اور صدہا بحروں تک نوبت پہنچ کر یاد کرنا دشوار ہو جاتا۔ زحافات کے سبب سے حسن اختصار اور ترتیب پیدا ہوئی۔ زحافوں کی تعداد کتابوں میں مختلف لکھی ہے۔ بعض نے ساٹھ اور بعض نے اس سے بھی

زیادہ درج کی ہیں لیکن بہت سے زحاف تو محض ایسے ہیں کہ اردو
فارسی میں عمر بھر کام نہیں آتے۔ بہت سے گاہے ماہے کام آتے
ہیں۔ وہ بھی غزل میں نہیں رباعی اور مثنوی وغیرہ میں۔ میں
نے ضرورت روزمرہ اور کثرت استعمال کا خیال رکھا ہے
اور بس۔ مگر الحمدللہ کہ بالکل ناقص نظر سے نہیں بلکہ اکثر ضروریات
اردو کی کفالت ضروری سمجھی ہے۔ اگرچہ عامیانہ اور نامکمل
بیان کیا ہے اور ہر پہلو پر بہت غائر نظر نہیں کی کیونکہ نہ اس
قدر موشگافی کی مجھ کو ضرورت نہ شائق کو حاجت۔ تاہم جو کچھ
لکھا ہے شوقین کے لئے بڑا ذخیرہ اور عمدہ سرمایہ ہے۔
کیونکہ میرے ہم فنوں میں سو میں سے دس کی بھی علمیت تو
کیا روزمرہ کی نوشت وخواند بھی درست نہیں۔ اور عروض
قافیہ سے تو رغبت بھی نہیں اور بلاغت داں شاعر کا کلام
اور بلند خیال سخنور کا شعر سنکر تو معما اور پھیکا کہا جاتا ہے
جب تک عام اور مبتذل کلام نہ ہو پسند نہیں کرتے مگر کچھ بھی
ہو سو احمقوں کی بیداد کی تلافی ایک دانا کی داد سے ہو جاتی
ہے میں اس معاملہ خاص میں ایسا واقف اور شاعری کے
ذلیل اور بے پرمرمت ہونے سے ایسا آگاہ ہوں کہ رونا آتا ہے

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَار۔

زحافات

بتر۔ بالفتح۔ دم کاٹنا۔ اور فاعلاتن میں قطع اور حذف کے اجتماع کو کہتے ہیں اور فاعل رہ جاتا ہے فعلن ساکن بالعین سے بدل جاتا ہے۔

تسبیغ۔ بالفتح۔ تمام کرنا۔ رکن کے آخر کے سبب خفیف میں الف بڑھانا مفاعیلن مفاعیلان فعولن فعولان ہوا۔

ثلم۔ بالفتح۔ رخنہ کرنا۔ فعولن سے مخصوص ہے حرف اول دور کر دینا عولن رہ گیا فعلن ساکن العین رہ گیا یہ زحاف اور ارکان میں خرم کہلاتا ہے۔

ثرم۔ بالفتح۔ اگلے دانت توڑنا۔ اور فعولن میں خرم (پہلا حرف دور کرنا) اور قبض کا جمع کرنا ہے (قبض پانچواں حرف دور کرنا) پس عول بالضم لام رہ جاتا ہے فاع متحرک العین سے بدل لیتے ہیں فاع رہ جاتا ہے یا فعل سے۔

حذف۔ دور کرنا۔ گرا دینا۔ آخر رکن سے سبب خفیف دور کر دینا۔ پس فاعلاتن کا فاعلا منقول بہ فاعلن اور فعولن کا فعو

منقول بہ فَعل رہ جاتا ہے۔

خَلبن۔ بالفتح۔ دامن لپیٹنا۔ رکن کے شروع میں جو سبب خفیف ہو اس کا حرف دوم دور کر دینا۔ پس فاعلن فَعِلن۔ فاعلاتن فِعلاتن رہ جاتا ہے۔

خرب۔ دونوں کان چیرنا۔ خرم اور کف کو مفاعیلن میں جمع کرنا۔ پس مفاعیلن کا میم خرم سے اور نون کف سے گیا فاعیلُ رہا مفعولُ سے بدلا۔

شکل۔ بالفتح۔ چارپایہ کے پاؤں باندھنا۔ فاعلاتن اور مستفعلن میں عین اور کف جمع کرنا۔ پس مستفعلن متفعل رہا۔ مفاعلُ سے بدلا گیا فاعلاتن۔ فَعِلاتُ رہا۔

طَے۔ لپیٹنا۔ رکن اول دو سبب خفیف میں سے چوتھا حرف دور کرنا۔ پس مستفعلن مستعلن رہا مفاعلن سے بدلا گیا۔

قصر۔ کم کرنا۔ رکن کے آخری سبب خفیف کا دوسرا حرف گرا کے آخر ساکن کر دینا۔ فاعلاتن۔ فاعلات۔ مفاعیلن مفاعیل رہا

قطع۔ کاٹنا۔ رکن کے آخر وتد مجموع کا آخری حرف دور کرکے آخر ساکن کر دینا۔ پس مستفعلن سے مستفعل رہا مفعولن سے بدلا گیا۔

قبض[12]۔ پکڑنا۔ مفاعیلن اور فاعلن میں سے پانچواں حرف دور کر دینا پس مفاعیلن سے مفاعلن اور فاعلن کا فاعل رہا۔ فعلن سے بدلا۔

کسف[13]۔ اونٹ کا پاشنہ کاٹنا۔ مفعولاتُ کا ساتواں حرف گرا دینا۔ پس مفعولا رہا مفعولن سے بدلا۔

کف[14]۔ روکنا۔ مفاعیلن اور فاعلاتن کا حرف ہفتم گرا دینا۔ پس مفاعیلُ۔ فاعلاتُ رہا۔

وقف[15]۔ ٹھیرنا۔ مفعولاتُ کی تا کو ساکن کرنا۔ پس مفعولان سے بدلا گیا۔

ارکان کے فروعات

فاعلن[1]۔ اس رکن کی کل آٹھ شاخیں ہیں۔ پانچ زیادہ مستعمل ہیں۔

اول مقبوض۔ فعولُ۔ بضم لال۔

دوم۔ مقصور۔ فعولْ۔ بسکون لام۔

سوم۔ محذوف۔ فعلْ۔ بسکون لام۔

چہارم۔ اثلم۔ فعْلن۔ بسکون عین۔

پنجم۔ اثرم۔ فاع یا فعلُ۔ متحرک الآخر۔

فاعلن کی آٹھ شاخیں ہیں مگر صرف دو زیادہ مروج ہیں۔
اول۔ مخبون۔ فَعِلن۔ بکسر عین۔
دوم۔ مقطوع۔ فَعْلُن۔ بسکون عین۔
مستفعلن۔ اس کی سترہ شاخیں ہیں مگر اردو فارسی میں اکثر متروک ہیں صرف دو کارآمد اور دلچسپ ہیں۔ انہیں پر اکتفا کیا جاتا ہے
اول مسطوی۔ مستعلن مفتعلن سے بدلا۔
دوم۔ مخبون۔ متفعلن۔ مفاعلن سے بدلا۔
مفاعیلن۔ اس کی سولہ شاخیں ہیں لیکن زیادہ مستعمل اور مروج پانچ ہیں۔
اول۔ مقبوض۔ مفاعلن۔
دوم۔ اخرب۔ مفعولُ۔ اصل میں فاعیل رہا تھا۔
سوم۔ مکفوف۔ مفاعیلُ۔ بضم لام۔
چہارم۔ مقصور۔ مفاعیل۔ بسکون لام۔
پنجم۔ محذوف۔ مفاعی۔ یہ فعولن سے بدلا گیا۔
فاعلاتن۔ اس کی سولہ شاخیں ہیں۔ زیادہ مستعمل پانچ ہیں۔
اول۔ مقصور۔ فاعلات۔ ساکن الآخر رہا۔ مفعولان سے بدلا گیا۔
دوم۔ محذوف۔ فاعلا۔ فاعلن سے بدلا۔

سوم ۔ مخبون فعِلاتن ۔ بکسر عین ۔
چہارم ۔ مشکول ۔ فعِلاتُ بکسر عین وضم تا ۔
پنجم ۔ ابتر ۔ فعْلُن ۔ بسکون عین ۔
متفاعلن ۔ اس کی پندرہ شاخیں ہیں مگر تمام قلیل الاستعمال یا متروک ۔
مفاعلتن ۔ اس کی آٹھ شاخیں ہیں لیکن اردو فارسی میں بصنف بالا
مفعولاتُ ۔ اس کی چودہ شاخیں ہیں مگر تین شاخیں مستعملہ اور اردو فارسی دانوں کے لئے کار آمد ہیں ۔
اول ۔ مسطوی ۔ مفعلات ۔ فاعلات سے بدلا ۔
دوم ۔ مسطوی کمسوف ۔ مفعِلا ۔ فاعلن سے بدلا ۔
سوم ۔ مسطوی موقوف ۔ مفعلات ۔ فاعلات سے بدلا ۔
فاع لاتن ۔ اس کی سات شاخیں ہیں ۔ چار زیادہ مستعمل ہیں ۔
اول ۔ مسبغ ۔ فاع لاتان ۔ فاعلیان سے بدلا ۔
دوم ۔ محذوف ۔ فاع لا مفاع لن سے بدلا ۔
سوم ۔ مکفوف ۔ مفاع لاتُ ۔ بضم تا ۔
چہارم ۔ مقصور ۔ فاعلاتْ بسکون تا ۔
مس تفع لن ۔ اس کی چار شاخیں ہیں ہماری ضرورت کے

واسطے صرف یہ ایک مفید اور مستعمل ہے۔

مخبون ۔مفاعلن۔ یہ اصل میں متفع لن تھا مفاع لن سے بدلا گیا اہل عروض کا قاعدہ ہے کہ جب کسی تغیر سے رکن کی صورت کسی ناقص یا مہمل لفظ سے مشابہ ہو جاتی ہے تو سبب وتد کی رعایت سے جس مستعمل یا معنی خوب صورت لفظ کو اس کے برابر پاتے ہیں اس کے عوض رکھ دیتے ہیں اور اس تبدیلی کو منقول کرنا کہتے ہیں۔

یہاں سے اب مستعمل اور خوب صورت بحروں کا بیان تفصیل وار کیا جاتا ہے اور بہ کار آمد اور مشہور بحر متن میں کم مستعمل اور شاذ حاشیہ پر لکھ کر باقی کو ترک کیا جاتا ہے۔

بحر متقارب کا بیان

بحر متقارب مثمن سالم۔ فعولن فعولن فعولن فعولن۔

عالی جناب نواب محمد عبداللہ خاں صاحب مطلب اجمیری مرحوم فرماتے ہیں۔

رقیبوں سے میرا گلہ ہو رہا ہے   یہ کیا کر رہے ہو یہ کیا ہو رہا ہے

رقی بو، فعولن سے میرا، فعولن ۔ گلہ ہو، فعولن رہا ہے فعولن

رقیبوں کا نون غنہ ہونے کے سبب سے شمار میں نہیں آیا سکی

یا تلفظ میں صرف زیر کے برابر پڑھی گئی تھی شمار میں نہیں آئی۔ گلہ کی ہار ہوند ذرا زور سے پڑھی گئی لہٰذا ایک حرف شمار کیا۔

یہ کیا کر، فعولن۔ رہے ہو، فعولن۔ یہ کیا ہو، فعولن۔ رہا ہے، فعولن۔ کیا کی 'ی' مخلوط التلفظ ہونے کی باعث شمار میں نہیں آئی اور یہ کی 'ہ' مختفی ہونے کے سبب نہ لی گئی۔ اس واسطے "یہ کیا ہو" سات حرف پانچ ہو کر فعلولن کے برابر ہوئے

بحر متقارب مثمن مقصور۔ فعولن فعولن فعولن فعول۔

پئے مشورت مجلس آراستند نشستند و گفتند و برخاستند

بحر متقارب مثمن محذوف فعولن فعولن فعولن فعل

بحر متقارب مثمن اثلم۔ فعلن فعولن فعلن فعولن۔

من بندہ و عاشق آنگاہ توبہ * استغفراللہ استغفراللہ

بحر متقارب مقبوض اثلم شانزدہ رکنی۔

فعولن و فعلن فعول و فعلن فعول و فعلن فعول فعلن۔

یہ آج کس بے گنہ کو مارا کہ جو کے قاتل نے کشتنی ہے

کہ اس کے کوچہ میں شور محشر بپا تھی ذنب قتلتنی ہے

بحر متقارب مثمن اثرم۔ فاع فعولن فاع فعولن۔

اے شب زلفت غالیہ سائی وے مہ رویت غالیہ پوش

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن   جوانی کی راتیں مرادوں کے دن

چند شعروں یا مصرعوں میں سے کسی کے آخر میں فعول۔ اور کسی کے آخر فعل ہونا جائز ہے۔ چنانچہ یہ امر اردو فارسی مثنویوں اور غزلوں میں بکثرت موجود ہے۔

بحر متدارک کا بیان

اس کے ارکان اصلی چار فاعلن ہیں لیکن اردو میں سالم مستعمل نہیں۔

بحر متدارک مثمن مقطوع۔ فعلن فعلن فعلن فعلن

تیرے صدقے تیرے واری   تا کے مارا در غم داری

تیرے، فعلن۔ صدقے، فعلن، تیرے، فعلن، واری، فعلن، تا کے، فعلن مارا، فعلن۔ در غم، فعلن۔ داری فعلن

بحر متدارک مخبون۔ شا ذ و نا در گئی ایک مصرعہ میں فَعِلُن آٹھ بار۔

مے نغمہ مسلم حوصلہ کہ قدح کش گردش سر نشود
بحل اسف سبکسری الفذرت کہ دماغ جنوں زدہ تر نشود

بحر ہزج کا بیان

بحر ہزج مثمن سالم۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن۔ مفاعیلن۔

چمی افشاں جبیں پر یار نے ماتھا میرا ٹھنکا

دعا کرتا ہوں یارب دوست مہماں ہو نہ دشمن کا (تحفا)

چمی افشاں، مفاعیلن۔ جبیں پر یا، مفاعیلن۔ رنے ماتھا، مفاعیلن میرا ٹھنکا، مفاعیلن۔

افشاں اور جبیں کا نون غنہ ہونے کی باعث نہیں لیا گیا۔ یار کی را دوسرا ساکن ہونے کی باعث متحرک ہو گئی۔ ماتھا اور ٹھنکا کی 'ھ' مخلوط ہونے کے سبب شمار نہ کی گئی۔

دعا کرتا، مفاعیلن۔ ہوں یارب دو، مفاعیلن۔ دوس مہماں ہو، مفاعیلن۔ نہ دشمن کا، مفاعیلن۔ ہوں اور مہماں کا نون غنہ ہوں کی واؤ غیر ملفوظ' دوست کی 'ت' تیسرا ساکن' نہ کی 'ہ' غیر ملفوظ ہونے کی سبب نہیں لی گئی۔

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ مفعول مفاعیل مفاعیل مفاعیل۔

شور شد واز خواب عدم چشم کشودیم دیدیم کہ باقی است شب فتنہ غنودیم

بحر ہزج مثمن اخرب محذوف مکفوف۔ مفعول۔ مفاعیل۔ مفاعیل فعولن

عاشق کو یوں ہی دیکھتے ہیں دیکھنے والے ہر مرتبہ تلوار کو دیکھا اسے دیکھا

بحر ہزج مسدس محذوف۔ مفاعیلن مفاعیلن۔ فعولن

مجھے تم جانتے ہو داغ ہوں میں ٭ کہیں جاتا ہے خالی وار میرا

بحر ہزج مسدس مقصور۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیل۔

اس سے پہلے کی مثال میں پہلا مصرعہ اس مقصور وزن کی مثال ہے کیونکہ مصرعہ کے آخر نون غنہ ایک حرف گنا جاتا ہے۔ اور ایک مصرعہ میں فعولن اور ایک کے آخر میں مفاعیل لانا درست ہے۔

بحر ہزج مسدس اخرب مقصور مقبوض۔

اے دررنگ و بوئے نوز آغاز ٭ عنقائے نظر بلند پرواز

بحر ہزج مسدس اخرب محذوف مقبوض۔

آگاہ نئی ز تپ درون را ٭ نشتر چہ زنی رگ جنون را

بحر ہزج مثمن اخرب مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن۔

مُردم ز غم ہجرت وقت است کہ باز آئی ٭ اے در لب لعل تو اعجاز مسیحائی

اس بحر کے یہ چار وزن ہیں۔ ایک کے ساتھ ایک بندھ جائے تو کوئی نقص نہیں ہے۔ چنانچہ اکثر اردو فارسی کی مثنویاں گواہ ہیں۔ اوزان یہ ہیں:

مفعول مفاعلن مفاعیل	مفعول مفاعلن فعولن
مفعولن فاعلن مفاعیل	مفعولن فاعلن فعولن

بحر ہزج مثمن مقبوض۔ مفاعلن۔ مفاعلن۔ مفاعلن۔ مفاعلن۔

دلم بروں شد از غمت غمت ز دل بروں نشد

انسان کا سرود و رقص کیا ہے	مفعول مفاعلن فعولن
پریوں کا ناچ دیکھتا ہے	مفعولن فاعلن فعولن
خالق نے دیئے تھے چار فرزند	مفعول مفاعلن مفاعیل
دانا، عاقل، ذکی، خردمند	مفعلن فاعلن مفاعیل

اسی طرح ایک مصرعہ کے آخر مفاعیلن سالم اور دوسرے مصرعہ میں مسبّغ یعنی مفاعیلان آئے تو جائز ہے اور ابتدا میں مفعولن اور مفعول کا مقابلہ درست ہے

بحر رجز کا بیان

مُسْتَفْعِلُنْ مُسْتَفْعِلُنْ مُسْتَفْعِلُنْ مُسْتَفْعِلُنْ۔

یہ بحر اردو فارسی میں سالم زیادہ مستعمل ہے اور باقی اس کی شاخیں متروک الاستعمال ہیں

بحر رجز مثمن سالم۔

اردو فارسی میں بعض قصائد فی مصرعہ آٹھ بار سولہ بار بتیس بار بھی باندھا ہے۔ تمثیلاً ایک شعر بتیس رکن کا لکھا جاتا ہے۔

یا صاحب الشّے الحذر زاں سرو قد و سیم بر کز عشق او گشتم سیمبر کام خشک و چشم تر
لب تشنہ و خستہ جگر برکندہ جاں افگندہ سر کردہ زغم زیر و زبر دنیا و دیں و جان و تن۔
آید بچشم ہر نفس عالم زعشقش چوں قفس بے او مرا فریاد رس شبہا خیال اوست بس
تا چند باشم چوں جرس بے او خروشاں از ہوس ہرگز مبادا بوالہوس کس در عشق یا احوال من

اے چہرہ زیبائے تو رشکِ بتانِ آذری   ہر چند وصفت میکنم لیکن ازاں بالاتری

اے چہرہ، مستفعلن۔ زیبائے تو، مستفعلن۔ رشکِ بتا، مستفعلن۔ نِ آذری، مستفعلن۔ ہر چند وص، مستفعلن۔ فت میکنم، مستفعلن لیکن ازاں، مستفعلن۔ بالاتری، مستفعلن۔ بتاں کا نون غنہ اضافت کی وجہ سے شمار میں آیا اور اضافت نے ایک کام دیا۔ ازاں کا نون غنہ ہونے کے سبب شمار میں نہ لیا گیا۔

بحر رجز مثمن مسطوی مخبون مفتعلن۔ مفاعلن مفتعلن مفاعلن۔

خشکی زہد تا کجا عالم آب خوب تر   خرقہ زاہداں ما رہن شراب خوب تر

بحرِ رمل کا بیان

بحر رمل مثمن مقصور۔ فاعلاتن۔ فاعلاتن۔ فاعلاتن۔ فاعلات۔

صورت گرد و مجسم فتح گوید آشکار   لافتیٰ الا علیٰ لا سیف الا ذوالفقار

صورتے گر، فاعلاتن۔ دد مجسم، فاعلاتن۔ فتح گوید، فاعلاتن آشکار، فاعلات۔ لافتیٰ ال، فاعلاتن۔ لاعلی لا، فاعلاتن۔ سیف الا، فاعلاتن۔ ذوالفقار، فاعلات۔ مجسم کا سین الا کا لام تشدید کے سبب دو حرف گنے گئے۔ آشکار کا مد ایک الف سمجھا گیا۔ اور ذوالفقار کی واؤ اور الف تلفظ میں نہ آنے کے سبب نہ لئے گئے۔

بحر رمل مثمن محذوف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن۔ فاعلن۔

اُستادی نواب فصیح الملک داغ دہلوی

اڑ گئے گم ہو گئے جاتے رہے آئے ہوئے بیوفا تیری وفا میری شکیبائی ہوئی

بحر رمل مثمن مخبون محذوف۔ فاعلاتن۔ فاعلاتن۔ فاعلاتن فعِلُن۔

آگئے آپ بڑا کام کیا ورنہ سخا مفت بے چارہ تسکار غم ہجراں ہوتا

بحر رمل مثمن مخبون ابتر۔ فاعلاتن۔ فعلاتن۔ فعلاتن۔ فعلن۔

دستِ وحشت سے نہ بچتا کوئی جانباز ہمتا ہائے گر جامۂ ہستی میں گریباں ہوتا

ان دونوں مقطعوں کے پہلے مصرعہ فعِلُن بکسور العین کے اور دوسرے مصرعے ردیف کی وجہ سے فعْلُن ساکن العین کی مثال ہیں۔

بحر رمل مثمن مخبون مقصور۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلاتْ۔

چشم دولت رسواد ظلمت گشت منیر باغ دانش زسحاب کرمت ہست نضیر

مصرعوں کے آخر میں ایک جا فاعلات دوسری جا فاعلن ایک جا فعلات ایک جا فعِلن اور فعْلن درست ہے اس کے اور ادنیٰ اختلافات بھی جائز ہیں۔ فاعلاتن کے متقابلہ پر فعلاتن شروع میں لانا بھی جائز ہے اور یہ ایسے ادنیٰ اور نامعلوم اختلاف ہیں کہ بغیر عروض پڑھے موزوں طبع لوگ بھی جو غزل کہتے ہیں یہ تمام اختلافات جواز برت جاتے ہیں اور طبع موزوں انکار نہیں کرتی البتہ وہ سمجھتے نہیں اور صاحب فن

جو کچھ کرتا ہے جانتا ہے۔ اور جائز ناجائز سے واقف ہوتا ہے۔

بحر رمل مسدس محذوف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلن۔

استاذی نواب فصیح الملک حضرت داغ دہلوی

رنج کی جب گفتگو ہونے لگی	آپ سے تم تم سے تو ہونے لگی

بحر رمل مسدس مخبون مقصور۔ فاعلاتن فعلاتن فعلات۔

شکر بین لعل تو کان نمک است	گر چہ تنگ نہ مکان نمک است

بحر رمل مسدس مخبون ابتر۔ فاعلاتن فعلاتن فعلن۔

ایک عاشق تھی حلیمہ دائی	جس نے گھر بیٹھے یہ دولت پائی

بحر رمل مثمن مشکول۔ فعلات فاعلاتن فعلات فاعلاتن۔

بملا زمان سلطان کہ رساند این دعا را	کہ بشکر پادشاہی ز نظر مران گدا را

بحر رمل مخبون شانزدہ رکنی۔ فعلاتن سولہ بار

نگہ خسار دور گوش و خط و خد و قد و عارض و خال لب ابرو سر بری رو و بمن بر

شفق و کوکب و شام و سحر و طوبیٰ و گلزار بہشت است و بلال و طرف چشمہ کوثر

اس سے زیادہ ارکان کا ایک ایک مصرعہ بھی ہوتا ہے۔ میں نے ایک سو اٹھائیس ایک سو اٹھائیس ارکان کا مصرع بھی دیکھا ہے۔ ناواقف لوگ اس قسم کے لمبے مصرعوں کو بحر طویل کہتے ہیں حالانکہ بحر طویل باوجود طوالت کے ان مصرعوں سے کہیں کم اور چھوٹی ہوتی ہے۔

بحر کامل کا بیان

یہ بحر بہت کم مستعمل ہے اور وہ بھی صرف سالم۔ بحر کامل مثمن سالم متفاعلن آٹھ بار۔

ترے وعدہ کو بت بیوفا نہ قرار ہے نہ قیام ہے، ابھی شام تھی ابھی صبح ہے ابھی صبح تھی ابھی شام ہے

ترے وعدہ کو، متفاعلن۔ بت بیوفا، متفاعلن۔ نہ قرار ہے، متفاعلن۔ نہ قیام ہے، متفاعلن۔ ابھی شام تھی، متفاعلن۔ ابھی صبح ہے متفاعلن ابھی صبح تھی، متفاعلن۔ ابھی شام ہے، متفاعلن۔

بحر بسیط کا بیان

بحر بسیط۔ مثمن مسطوی مفتعلن فاعلن مفتعلن فاعلن۔

سلطان الشعرا نواب فصیح الملک حضرت داغ دہلوی

نور سویرا کی تاب دیکھیے کب تک رہے ۔ ذرہ میں یہ آفتاب دیکھیے کب تک رہے

نور سوی، مفتعلن۔ را کی تاب، فاعلن۔ دیکھیے کب مفتعلن تک رہے فاعلن۔ ذرہ میں یہ مفتعلن۔ آفتاب، فاعلن۔ دیکھیے کب، مفتعلن۔ تک رہے، فاعلن۔

اس بحر میں بجائے فاعلن کے فاعلان باندھنا درست ہے چنانچہ

مطلع میں بجائے فاعلن کے حشو میں فاعلان آیا ہے۔

بحر مضارع کا بیان

بحر مضارع مثمن اخرب مفعول فاع لاتن مفعول فاعلاتن

خاکسار نے ایک قصیدہ میں عرض کیا ہے

رضوانِ فیض تیرا گلشن طرازِ جنت　　نیسان فضل تیرا سرمایۂ سازِ کوثر

رضوانِ، مفعول۔ فیض تیرا، فاع لاتن۔ گلشن ط، مفعول۔ رازِ جنت، فاع لاتن۔ نیسان، مفعول۔ فضل تیرا، فاع لاتن۔ سرمایۂ مفعول۔ سازِ کوثر، فاع لاتن۔

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مفعول فاع لات مفاعیل فاع لن

خاکسار نے عرض کیا ہے۔

دامن ہے تار تار مکرنے سے فائدہ　　یہ جھوٹ وہ ہے جس میں کبھی ہو رفو نہ ہو

بحر مضارع مثمن مکفوف مقصور مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

نواب فصیح الملک بہادر

یوں میرے دل میں گھر کے رہیں تیری حسرتیں　　ہو جائے جیسے قلعہ میں فوجِ غنیم بند

بحر مضارع مثمن اخرب محذوف مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن۔

گل در چمن نباشد ہم رنگ عارض او　　بلبل بگل مباہے عاشق بروئے او

ایک غزل یا قصیدہ میں یہ اوزان جمع ہوسکتے ہیں۔ مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن مفعول فاع لات مفاعیل فاع لات۔ فاعلاتن کے ساتھ آخر مصرعہ میں فاعلیان بھی آتا ہے۔

بحرمجتث کا بیان

بحر مجتث مثمن مخبون مقصور۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلات۔

بہ بستر افتم و مردن کنم بہانہ خویش بدیں بہانہ مگر آورم بخانہ خویش

بہ بستر اُف، مفاعلن۔ تم و مردن، فعلاتن۔ کنم بہا، مفاعلن۔ نہ خویش، فعلات۔ اُفتم کے بعد واؤ عاطفہ دے کر صرف بیتی کے برابر پڑھی گئی تھی لہذا شمار میں نہ آئی۔ بدیں کا نون غنہ ہونے کے سبب شمار نہ ہوا بہانہ اور بخانہ کی "ہ" اضافت کے سبب سے ایک حرف گنی گئی۔ خویش میں واؤ معدولہ ہے تقطیع کو اس سے تعلق نہیں ہے۔

فعلات مکسور العین کے ساتھ فعلان ساکن العین ابتر۔ مسبّغ۔ اور فعلن بکسر عین اور کبھی فعلن۔ بعین ساکن لاتے ہیں اور اس کو کوئی فرق نہیں سمجھا جاتا

بحر منسرح کا بیان

بحر منسرح مثمن مسطوی موقوف مفتعلن فاعلات مفتعلن فاعلات۔

آنکہ دلم صید کرد میر شکار من است   دست بجو نم نگار بستہ نگار من است

آنکہ دلم، مفتعلن۔ صید کرد، فاعلات۔ میر شکار، مفتعلن۔ رمن است، فاعلات۔ دست بجو، مفتعلن۔ نم نگار، فاعلات۔ بستہ نگا، مفتعلن۔ رمن است، فاعلات۔ الف ممدودہ دو حروف کے برابر، نون غنہ کالعدم، اضافت نسکار و نگار ایک حرف سمجھی گئی۔

بحر سریع کا بیان

بحر سریع مطوی موقوف۔ مفتعلن۔ مفتعلن فاعلات

وقت ضرورت چو نماند گریز   دست بگیرد سر شمشیر تیز

وقت ضرو، مفتعلن۔ رت چو نما، مفتعلن۔ ند گریز، فاعلات۔ دست بگی، مفتعلن۔ ردسر شمشیر، مفتعلن۔ شیر تیز، فاعلات۔

بحر سریع مطوی مکسوف۔ مفتعلن مفتعلن۔ فاعلن۔

ہردم ازیں باغ بری میرسد   تازہ تر از تازہ تری میرسد

ان اوزان میں چند زحاف آسکتے ہیں اوران کے اجتماع سے شعر ناموزوں نہیں ہوتا۔ لیکن یہاں بیان کرنا موقع شناسی کے خلاف ہے۔ لہذا ترک کرتا ہوں۔

بحرِ خفیف کا بیان

بحرِ خفیف مسدس مخبون ابتر۔ فاعلاتن ۔مفاعلن فعلن۔

استاذی مدظلہٗ

اس سے کیا خاک ہم نشیں بنتی   بات بگڑی ہوئی نہیں بنتی

اس سے کیا خا، فاعلاتن۔ کہ ہم نشیں، مفاعلن۔ بنتی، فعلن۔
بات بگڑی، فاعلاتن۔ ہوئی نہیں، مفاعلن۔ بنتی، فعلن۔

اس وزن میں یہ چار صورتیں جوازاً آیا کرتی ہیں اور ان کے اجتماع سے کوئی نقص نہیں آتا۔

(اول) فاعلاتن مفاعلن فعلن۔
(دوم) فاعلاتن مفاعلن فعلن۔
(سوم) فاعلاتن مفاعلن فَعِلات۔
(چہارم) فاعلاتن مفاعلن فعلان۔

رباعی کا بیان

رباعی صرف بحرِ ہزج کی چند شاخوں میں کہی جاتی ہے اور ان شاخوں کے دو سلسلے ہیں ہر سلسلہ میں بارہ وزن ہیں اور ہر سلسلہ شجرہ کہلاتا ہے

پس جو مفعول سے شروع ہوتا ہے اس کو شجرۂ اخرب کہتے ہیں کیونکہ مفاعیلن اخرب ہوکر مفعول رہ جاتا ہے اور دوسرا سلسلہ جو مفعولن سے شروع ہوتا ہے اس کو شجرۂ اخرم کہتے ہیں۔ ہر شجرہ کے اوزان میں سے خواہ ایک میں چاروں مصرعے کہیں خواہ دو میں خواہ ہر مصرعہ ایک وزن میں کہیں اور اگر دونوں شجروں کے اوزان بھی آپس میں ملا دیں تو چنداں بے احتیاطی نہیں۔

شجرہ اخرب کے اوزان

(۱) مفعول مفاعیل مفاعیلن فع۔
(۲) مفعول مفاعیل مفاعیلن فاع۔
(۳) مفعول مفاعیل مفاعیل فعول۔
(۴) مفعول مفاعیل مفاعیل فعل۔
(۵) مفعول مفاعیلن مفعولن فع۔
(۶) مفعول مفاعیلن مفعولن فاع۔
(۷) مفعول مفاعیلن مفعول فعَل۔
(۸) مفعول مفاعیلن مفعول فعول۔
(۹) مفعول مفاعلن مفاعیلن فع۔

(۱۰) مفعول مفاعلن مفاعیلن فاع۔
(۱۱) مفعول مفاعلن مفاعیل فعل۔
(۱۲) مفعول مفاعلن مفاعیل فعول۔

شجرۂ اخرم کے اوزان

(۱) مفعولن مفعول مفاعیل فعل
(۲) مفعولن مفعول مفاعیل فعول
(۳) مفعولن مفعول مفاعیلن فع۔
(۴) مفعولن مفعول مفاعیلن فاع
(۵) مفعولن مفعولن مفعولن فع۔
(۶) مفعولن مفعولن مفعولن فاع۔
(۷) مفعولن مفعولن مفعول فعل۔
(۸) مفعولن مفعولن مفعول فعول۔
(۹) مفعولن فاعلن مفاعیل فعل۔
(۱۰) مفعولن فاعلن مفاعیل فعول۔
(۱۱) مفعولن فاعلن مفاعیلن فع۔
(۱۲) مفعولن فاعلن مفاعیلن فاع۔

رباعی کے وزنوں میں غزل قصیدہ قطعہ لکھنا جائز ہے مگر ان کے اوزان میں رباعی نہیں کہی جاتی۔

علم بدیع میں کلام کی خوبیاں بیان ہو چکی ہیں اب نقص بیان ہوتے ہیں درحقیقت یہ بیان ان خوبیوں سے کہیں زیادہ یاد کرنے کے قابل ہے کیونکہ خوبیاں پیدا کرنا ضروریات سے نہیں ہے مگر ان عیوب سے بچنا ضروریات سے ہے آج کل کے شعرا نے جن سے شاعری کا دم ناک میں اور نظم کی آبرو خاک میں مل چکی ہے۔ فصاحت اور بلاغت کے عجب معنی مقرر کر رکھے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ دہلی والوں میں فصاحت زیادہ ہے اور لکھنؤ والوں میں بلاغت زیادہ ہے خدا جانے ان صاحبوں نے بلاغت اور فصاحت کو کونسا بھینس کا انڈا سمجھ لیا ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ میر انیس کا کلام فصیح زیادہ ہے اور مرزا دبیر کا کلام بلیغ زیادہ۔

ان اقوال کا نتیجہ میرے نزدیک تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بلاغت میں ضخیم ہے اور لفظ ذرا موٹا سا معلوم ہوتا ہے پس جو الفاظ مغلق اور عربی ہوں اور جو اشعار مضمون میں دقیق بندش میں فارسی آمیز ہوں وہ بلیغ کہلاتے ہیں اور جو اشعار قریب الفہم اور صاف صاف ہوں وہ فصیح کہلاتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک وہم ہے جو ناواقفیت سے پختہ ہو گیا ہے۔ بلکہ فصاحت یہ ہے کہ الفاظ اور جملے عیوب سے پاک ہوں

اور بلاغت یہ ہے کہ کلام از حد مناسب مقام ہو اور نہ اتنا طویل ہو کہ طبیعت الجھے نہ اتنا مختصر ہو کہ مطلب فوت ہو جائے۔

پس فصاحت بلاغت کا ایک جزو ہے جس کا عمل کلام کے ظاہر سے متعلق ہے اور یہ اس کے کلام کی باطنی خوبی بلحاظ دلالت اور مناسبت کے بلاغت ہے ممکن ہے کہ کلام فصیح ہو لیکن معنی کی نامناسب بلاغت سے خارج ہو مثلاً کسی شادی کی مبارکباد لکھیں اور نہایت نجس الفاظ اور دنیا کی ناپایئداری عمر کی بے ثباتی سے شروع کریں اب اگرچہ الفاظ شستہ بندش عمدہ اور تمام خوبیاں ہوں لیکن مناسبت مقام نہ ہونے سے یہ کلام فصیح تو ہے مگر بلیغ نہیں مگر ایسا واقع نہیں آسکتا کہ کلام بلیغ ہو مگر فصیح نہ ہو کیونکہ شرط ہے کہ وہ کلام بلیغ ہے جس میں تمام شرائط فصاحت موقع کی مناسبت ہو اور بے جا طول و اختصار نہ ہو۔ فصیح لفظ بھی ہوتا ہے جملہ بھی آدمی بھی۔ لیکن بلیغ جملہ ہوتا ہے آدمی۔ لفظ بلیغ نہیں کہلاتا بلاغت کے عیب یہ ہیں کہ کلام علم معانی کے خلاف ہو۔

عیوب فصاحت

(۱) تنافر حروف۔ ایسا لفظ لانا جس کے حروف ایسی ترکیب سے واقع ہوئے ہوں کہ زبان کو بولنے میں لغزش ہو یا الفاظ کو اس طرح ترتیب دینا کہ تلفظ میں زبان سے کچھ کا کچھ ادا ہو جیسے خواجہ توجہ نجات تنگی

ہائے اک کشش سے مثیر ہو کر بے تشکار۔ ان دونوں مثالوں کو بے تکلف دو چار بار فرمائیے تو معلوم ہو کہ زبان کو گیا دقت پیش آتی ہے۔

(۲) تنافر معنوی۔ الفاظ اس طرح سے ترتیب دیں کہ اپنے مدعا کے علاوہ ایک اور ذلیل معنی بھی کنایتہً پیدا ہو جائیں جیسے۔

وہ گرم گرم آکے جو میرے چلا گیا　　　میں کیا کہوں کہ یارو مجھے غش سا آگیا

اب تو چلنے کے بھی ہیں لانے پڑے　　　ہائے کس بد درد کے پالے پڑے

پہلے مطلع کا یہ مضمون ہے کہ معشوق کے آنے اور جلد واپس چلے جانے سے مجھ کو رنج کی وجہ سے غش آگیا لیکن اس عبارت سے کہ وہ آکر جو گرم گرم میرے چلا گیا تو مجھے غش آگیا۔ ایسا ناپاک کنایہ اور گندہ ایہام ہے کہ بیان سے بدبو آتی ہے۔ اور دوسرا شعر تو ریختہ کے میدان ہی سے باہر ہے کہ خاصی ریختی ہے۔

(۳) تتابع۔ متواتر اضافتوں کا آنا۔ جیسے۔

لوٹ دیتی ہے صفِ عشاق کی اک آن میں جنبشِ ابروئے شوخِ دشمنِ جانِ حزیں

ایک اور دو اضافتوں کا تو مضائقہ نہیں اور تین بھی لانا ثقیل معلوم ہوتا ہے چہ جائے کہ چار اور پانچ اور جو تین کو درست، چار کو جائز کہتے ہیں وہ اردو سے مناسب نہیں اور عربی کی سند کافی نہیں ہے۔

(۵) اسناد بہت عمدہ ہیں لیکن جب عربی میں کلام ہو۔

(۴) ضعف تالیف۔ فصحا کے استعمال کے خلاف ترکیبیں پیدا کرنا۔ شعر

وہ صفائی مجھے حاصل ہے کہ ہر دل ہوں عزیز۔ جتنے اصحاب تھے رکھتے تھے مجھے پیش نظر

ہر دل عزیز میں ہوں۔ فصاحت میں خلل در معقولات خلاف استعمال فصحا ہے اور ہندی مضاف مضاف الیہ یا معطوف معطوف علیہ بنانا بھی اسی قسم سے ہے جیسے چوٹی مشکیں۔ ہاتھ و پاؤں۔ یا فارسی کو عربی الفاظ معروف باللام کا مضاف کریں۔ جیسے گنج العرش وغیرہ۔ باوجودیکہ کسی استاد نے زلفیں دوزلفیں یا ذوالخورشید بھی لکھا ہوتا۔ ہم ہم کو ایسے الفاظ سے اجتناب چاہیے۔ اور بیا دہ سے زیادہ یہ ہے کہ ان الفاظ کو فقط جائز سمجھیں نہ کہ اس کو قاعدہ گردان کر ایجاد شروع کریں جن میں اتنی قوت ہو۔ یا دلبر بے مہر جانِ عاشقِ ناشاد سوز۔

اصل میں جاں سوزِ عاشقِ ناشاد تھا۔ اگرچہ جائز ہے اور سمجھاتے کے بعد اعتراض نہ رہے گا مگر اردو میں مرزا بیدل کی فارسی کا رنگ چڑھانا کیا ضروری ہے زمانہ کی موافقت کیجئے۔

(۵) خلاف قیاس لغوی لفظ کو خلاف اہل لغت لکھنا جیسے قسم کو بحالت وحدت بسکونِ سین بولنا یا المضاعف کو المضاف کہنا مگر الفاظ خلاف لغت چند فصحا استعمال کریں وہ اس عیب میں داخل نہیں ہیں جیسے لفظ حنّا ہے اب سلف خلف اہل دہلی و لکھنؤ سب کے سب حِنّا بولتے ہیں۔ اب اس کو غلط کہنا زبان کا دائرہ اپنے واسطے آپ تنگ کرنا ہے۔

ولیکن جتنے وہاں خورد و کلاں ہیں   بسا عاشقاں اہلِ وفا ہیں

اِس شعر میں کلاں کا نون اُڑ گیا اور ایسا اُڑا جیسے گدھے کے سر سے سینگ اور جج وغیرہ کو بے تشدید لکھنا اس میں داخل نہیں۔ اردو فارسی کی خاصیت اور تاثیر ہے۔ یہ بحث بہت طولانی ہے کہ کب کیا خلاف قیاس لغوی جائز ہے اور کیا ناجائز۔ افسوس کہ کتاب کا حجم بہت بڑھ چکا انشاء اللہ اس پر جدا گانہ ایک طویل بحث لکھیں گے۔

(۶) غرابت۔ ایسا نیا اور غیر مستعمل لفظ لانا کہ مناسب استعداد والوں کو بھی لغت دیکھے بغیر معلوم نہ ہوسکے جیسے

گر اتفاق صحبت سے یار آجاتا ہے — وہیں رقیب خلیع العذار آتا ہے

اتفاق صحبت اور خلیع العذار اردو کی بوسر کے بائے نہیں۔ بلکہ عربی کی شطرنج کے مُہرے ہیں وہ بھی اُونچے اُونچے اور قصائد میں گزرد قافیہ میں جو بعض نامانوس الفاظ آئے ہیں اس قدر ثقیل نہیں تاہم ایک حد تک

(۷) ابتذال۔ مبتذل الفاظ جو لابے، بھٹیاروں کی بول چال بازاری محاورات، نیم فحش اور خلاف تہذیب مثلاً مجامعت کے قریب الفاظ وکفر والحاد تک خلاف شان علماء وزہاد مضامین بوس وکنار میں مساس اور کچھ اس سے بھی سوا صراحت جیسے آج کل کے نوجوانوں کا بعض کلام۔

(۸) اخلال۔ ایسے لفظ کا رہ جانا کہ اس کے نہ ہونے سے معنی میں نقص رہ جائے۔

(۹) تکلف۔ الفاظ گھڑنا جیسے لبالب کی جگہ ملبب۔ تراشیدہ کے عوض مُترش۔ اسی طرح جوتی کی جمع جواتیت، لونڈی کی جمع لوانڈیڈ۔

(۱۰) بے موقع یا بے ضرورت ایک لفظ کا مکرر آنا اور کسی خوبی سے تکرار ہو تو حسن ہے۔

(۱۱) تجلیع بدنما اور متروک بحروں میں نظم کرنا۔

(۱۲) حشو۔ کسی لفظ کو بے فائدہ لانا کہ اس کے نہ ہونے سے کوئی نقصان نہ ہو۔ جیسے 'جفا معشوق اور محبوب کی سہتے ہیں سب عاشق'، اس مصرعہ میں محبوب حشو زائد ہے۔

(۱۳) تنزل۔ کہ اول بڑی صفت بیان ہو اور پھر چھوٹی صفت جیسے 'ترے رخساروں سے نادم آفتاب و ماہتاب' ظاہر ہے کہ جب آفتاب شرمندہ ہوا تو ماہتاب ضرور شرمندہ ہوگا۔ پس کہنے کی کیا ضرورت ہے۔

(۱۴) تناقص۔ ایک شے کے بغیر کسی فرق اعتباری کی ایسی دو صفتیں بیان ہوں جو باہم ضد ہوں جیسے ممدوح کو مصرف اور ممسک کہنا البتہ اعتبار کا فرق ہو تو درست ہے جیسے۔ بہ ہمت جواں و بہ تدبیر پیر۔ باعتبار ہمت کے جوان ہے اور باعتبار عقل کے پیر ہے۔ یہ عین خوبی ہے۔

(۱۵) تعقید۔ موزونیت کی ضرورت یا قافیہ ردیف کی رعایت کے سبب الفاظ آگے پیچھے اس طرح ہو جائیں کہ شعر یا مہمل ہو جائے یا بدقت سمجھ میں آئے۔

(۱۶) تاخیر۔ جو بات پہلے کہتے تھے پیچھے کہیں اور جو پیچھے کہتے تھے وہ پہلے بیان کریں۔ ان کے علاوہ اور بہت سی نزاکتیں ہیں کہ جہاں تک ہو سکے خیال رکھیں۔ نمونہ کے طور پر یہی بیان کیا ہے۔

سرقہ

چوری کے چند اقسام ہیں۔

(۱) انتحال۔ اور نسخ اسے کہتے ہیں کہ الفاظ اور معنی یعنی شعر بغیر کسی تغیر کے اپنے نام سے پڑھیں اگر فرق ہو تو صرف تخلص کا۔ تماشا ہے کہ یہ شعر دو استادوں کے دیوان میں موجود ہے۔

خدا کرے نہ تمہیں میرے حال سے واقف   نہ ہو مزاج مبارک ملال سے واقف

مندرجہ ذیل اشعار میر صاحبؒ کے ہیں مگر افسوس کہ منشی دیا شنکر نسیمؔ کے کلام میں بھی موجود ہیں۔

چمن میں گل نے جو کل دعوئے جمال کیا   جمالِ یار نے منہ اُس کا خوب لال کیا
رہی تھی دم کی کشاکش گلے میں کچھ باقی   سو اُس کی تیغ نے جھگڑا ہی انفصال کیا
بہار رفت پھر آئی ترے تماشے کو   چمن کو یمنِ قدم نے ترے نہال کیا
نگاہ دل کو کہیں کیا سُنا نہیں تونے   جو کچھ کہ میر کا اس عاشقی نے حال کیا

یہ اشعار نسیم لکھنوی کے کلام میں دو چار الفاظ کے تفاوت سے موجود ہیں۔ ایک پوری غزل حافظ صاحبؒ کے دیوان میں بھی اور سلمان ساوجی کے دیوان میں بھی موجود ہے۔ مطلع یہ ہے

ز باغ وصل تو یابد ریاض رضواں آب
ز تاب ہجر تو دارد شرار دوزخ تاب

دونوں استاد دونوں ہم عصر اب کس کو کیا کہا جائے۔ مگر چند اشعار

میں متواتر توارد ہونا بھی نہایت عجیب ہے اور سرقہ بھی کہنا دشوار ہے۔ اسی طرح بہت سے موقعے نظر میں ہیں مگر بخوفِ طوالت ترک کرتا ہوں۔

اغارہ یا مسخ۔ سرقہ کی یہ دوسری قسم ہے۔ اس میں کسی قدر تبدیلی کر دی جاتی ہے۔ کچھ الفاظ اپنی طرف سے ملا دیتے ہیں جیسے۔

اے بتو اس قدر خفا ہم پہ ‏ ‏ عاقبت بندہ خدا ہیں ہم ‏ ‏ میر
ٹک تو کر رحم اے بتِ بے رحم ‏ ‏ آخرش بندہ خدا ہیں ہم ‏ ‏ جرأت
چلی دشت غیب سے اک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا ‏ ‏ مگر ایک شاخ نہالِ غم جسے دل کہیں سو ہری رہی ‏ ‏ سراج
نہ سوکھی شاخ غم الحمد للہ ‏ ‏ جسے کہتے ہیں شاخِ دل ہری ہے ‏ ‏ فطرت
بوئے کباب سوختہ آئی دماغ میں ‏ ‏ شاید جگر کو آتشِ غم نے جلا دیا ‏ ‏ میر
خدا جانے کیا کیا حال دل کا آتش غم نے ‏ ‏ کہ ہے بوئے کباب سوختہ ہر آہ سوزاں سے ‏ ‏ ظفر
کہیو قاصد جو وہ پوچھے ہمیں کیا کرتے ہیں ‏ ‏ جان و ایمان و محبت کو دعا کرتے ہیں ‏ ‏ میر
وہ جو پوچھیں ہمیں کیا کرتے ہیں ‏ ‏ کہیو قاصد کہ دعا کرتے ہیں ‏ ‏ اسیر

میری رائے تو یہ ہے کہ توارد اور سرقہ میں بجز کہنے والے کے علم و ایمان کے کوئی شہادت قطعی نہیں۔ میں نے جو مثالیں اوپر لکھیں اس میں علاوہ اس بدگمانی کے بہت سے پہلو پاتا ہوں اور خود اس تمام خرافات کا جواب دیتا ہوں مگر افسوس معروضہ صدل کرنے والے کیا سمجھ سکتے ہیں۔ البتہ جس کی نظر حقیقی انصاف پر ہے اور شاعری کے فراز و نشیب جانتا ہے میری رائے کا موازنہ کرے گا یہ قانون قدرت ہے کہ ایک سلسلہ کی چیزیں اگر مناسب بھی ہوں

توبھی مشابہ اور یکساں ہوتی ہیں۔ مثلاً طوفان دریا کہ فلاں ماہ فلاں موسم میں اس حالت میں رہتا ہے۔ سردی ایک برس کے ۳۶۵ دن کے حساب سے لکھتے رہو۔ دس برس کے بعد سلسلہ بدلے گا۔ اور اپنی کتاب میں دیکھئے یا د جنوری کی پہلی سے جنوری کی پہلی دوسری سے دوسری غرض آپس میں برابر ہوگی۔ ستارے دورہ کرتے ہیں۔ دوسرے دورے میں انہیں اوقات میں انہیں مقامات پر پھر ہوں گے۔ حیوانات اپنی ہر عمر میں بے تعلیم ایک عادت اور قانون کے پابند ہیں۔ تازیں برف باری کے ایام میں گرم ملکوں میں اُڑ آتی ہیں اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ کس سے سیکھیں ورنہ کہا جائے گا کہ سب سے پہلے تاز نے کس سے سیکھا۔ بہت سے لوگوں کی چال ایسی مشابہ ہوتی ہے کہ بے حد شبہ واقع ہوتا ہے اور اسی شبہ پر دور تک دیکھتے کو چلتے ہیں۔ بعض لوگوں کا ایک پہلو یا ایک رُخ نہایت مشابہ ہوتا ہے جب تک رخ یا پہلو نہیں بدلا جاتا اپنے خیال کی غلطی رفع نہیں ہوتی۔ ایک نگینہ مقررہ اشکال میں سے کسی شکل اور مقدار کا لے کر جائے اس کے میل کے نگینے ایک نہیں صدہا ملیں گے حالانکہ وہ حکاک آپس میں ملے تک نہیں اور مختلف اوقات مختلف مقامات میں رنگ تراشتے ہیں۔ البتہ معمولی اشکال کے علاوہ کوئی شکل تراش لو تو خدا چاہے دنیا بھر میں اس کا جوڑ نہ ملے۔ اسی طرح وہ مضامین جو انسانی جذبات و دنیاوی حادثات کا بیان ہیں دو خیالوں

دو مختلف زبانوں اور دو مختلف زبانوں میں آ سکتے ہیں۔ ہاں غیر معمولی مضمون تراش لو نہ توارد ہوگا نہ تقارب مثلاً۔

مارُوں گا جو غوطہ تو ہے تقدیر گلی میں

اِس میں کبھی توارد نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ خیال کے چلنے کا معمولی رستہ ہے نہیں اور جو خیال کے چلنے کا رستہ ہے اُس رستہ پر جب ایک چلا تو دوسرے کے چلنے کا کیا مضائقہ ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ بلند خیال کرنا اور نازک طبع شاعر کی راہ خیال پر ہر شخص نہ چل سکے مگر اس کے ہم پلہ، ہم رنگ کو اتفاقیہ وہیں پہنچ جانا کیا محال ہے۔ اندھیرے میں ایک دیوار پر چند تیر انداز نشانہ بازی نہیں بلکہ بے اندازہ مارنا شروع کریں تو امر یقینی ہے کہ بہت تیر اُوپر تلے اور ایک ہی جگہ پڑیں گے اور تیر اندازوں کو خبر بھی نہ ہوگی کہ ہم میں سے کس کس کا کون کون سا تیر ایک جگہ پڑا۔ اسی طرح ایک شخص دن کو بے تاکے دیوار پر پچاس گولیاں مارے۔ ان گولیوں کے نشانوں پر اس کا نام لکھ دو۔ اب اس دیوار کو سو برس تک چھوڑ دو یا اسی وقت دوسرے شخص کو سامنے کھڑا کرو اور خواہ کمان دو خواہ بندوق خواہ تفنگ خواہ گوپھن اور خواہ پچاس وار کرنے دو یا کم و بیش پس اب ہر نشانہ پر اس کا نام لکھ دو۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ بعض جگہ بالکل دونوں کا نشانہ جدا جدا ہوگا۔

ایک کا قریب دوسرے کا اُوپر کے کنارہ کے پاس، بعض کچھ تفاوت سے، بعض جا دونوں کا بالکل ایک نشانہ۔ بعض جا کچھ ایک سے دوسرا نشانہ کٹا ہوا، بعض جا خود اپنے دو تیر اوپر تلے یا ایک راہ پر صدہا مسافروں کو چلاؤ مگر ہر شخص کی جوتی کے تلے میں خاص نشان ہو کہ پاؤں رکھنے میں زمین پر نقش ہو جائے تو آخر کار قدموں کے دور دور، قریب قریب اور اُوپر تلے پڑنے میں وہی نسبت ہوگی جو اُوپر نشانہ بازی میں ہوئی۔ اسی طرح شاعری کا حال ہے اور شاعری میں وہ دیوار تو حادثات و واقعات ہیں، نشانہ باز شعرا، تیر اشعار، مختلف ہتھیار مختلف زبانیں، نشانوں کی دوری شعر کا بالکل جدا ہونا، تقارب شعر کا بعض امور میں مل جانا اور اُوپر تلے نشانہ پڑنا توارد۔ اسے سرقہ سمجھنا میرے نزدیک کم نظری ہے اگر آج تمام دیوان لے کر بیٹھو تو جس طرح دنیا کی ہر چیز چند اقسام میں منقسم ہو جاتی ہے۔ مضامین بھی سو ہزار سو قسموں سے زیادہ نہ ہوں گے۔ البتہ تمام اقسام نظم میں بہت زیادہ ہوں گے۔ عاشقانہ غزل میں اس سے سوا کی امید نہیں۔ اس میں تشبیہ و تمثیل والوں کا آپس میں صدہا جگہ توارد ہوگا اور معاملہ بندوں کا آپس میں، ادا بندوں کا آپس میں، زبان اور روزمرہ والوں کا آپس میں، اور مضمون آفرینوں کا آپس میں۔ اسی طرح ہر مذاق والوں کا

اوران سب کا بھی آپس میں توارد ہوگا۔ مگر کم کم۔ جس طرح آج سو دو سو دیوان اردو فارسی کے موجود ہیں۔ اگرچہ باہم صدہا سال کا زمانہ فاصل ہے۔

اسی طرح اگر وہ تمام نسلیں بھی جو اس صدہا برس میں گزری ہیں نکال کر صف بصف کھڑی کی جائیں تو معلوم ہو کہ ایک ایک شکل کی لاکھ تصویریں مٹ چکی ہیں۔ اور یہ کچھ ایسی مشابہت نہیں ہے جو اشعار میں پائی جاتی ہے۔ بمقابلہ اس مشابہت کے جو بندگان خدا میں پائی جائے۔ چنانچہ اب بھی بعض آدمی ایک ادنے تفاوت سے دوسرے کا ہمشکل ہوتا ہے۔ پس اگر ایک شعر جو اکثر دس بارہ لفظوں کا مجموعہ ہوتا ہے توارد ہو جائے تو کیا وجہ ہے کہ ایک شریف عزت دار شخص کو نیکی کا پہلو ہوتے ہوئے بدی سے منسوب کرکے اپنا خبث باطن اور تنگی نظر ظاہر کریں۔ اس کے علاوہ ایک کیا چند اسباب اور بھی ہیں جن سے سرقہ کا شبہ پیدا ہوتا ہے مثلاً

(۱) شاگردوں نے استاد کے بعد مسودات جمع کئے۔ اس میں اشعار نکلے جو انہوں نے کہہ کر کسی کو دیئے تھے۔ یہ شاگردوں نے دیوان میں لکھ دیئے۔ اب وہ دونوں کے کلام میں ہوں گے۔

(۲) استاد کا کلام جمع کیا اس میں پرچہ پرچہ اشعار ملے

آئے تھے اصلاح کو جمع ہو گئے دیوان میں۔

(۳) اُستاد نے کوئی غزل کسی رئیس کے لئے کہی اور دے دی یا اپنی غزل کا مقطع بدل دیا اور دیوان میں سے کاٹنا بھول گئے۔

(۴) کسی شاعر نے کسی بھولے شاعر کو غزل دینے کا وعدہ کیا مشاعرہ آ گیا۔ سر پر فرصت ہوئی نہیں جو غزل کہتے کسی قلمی دیوان سے نقل کر دی اور سمجھ لیا کہ کون جانتا ہے۔ جب دیوان چھپا قلعی کھُلی۔ اُن کی بلا سے مُردہ جہنم میں جائے یا جنت میں۔ اُن کی غرض تو وقت پر نکل گئی۔

(۵) کسی کا شعر دیکھا یا سُنا، مدّت بعد خیال نہ رہا، کہتے بیٹھے غزل وہی مضمون آ گیا، یہ سمجھے ہمارا ہی طبع زاد ہے جس کو یاد تھا اُس نے چور سمجھا۔

(۶) چھوٹی بحر ردیف ہوئی بڑی۔ دس نے غزلیں کہیں، پانچ کے مضمون میں، تین کے مصرعوں میں، ایک آدھ کا پورے شعر میں توارد ہو گیا۔

(۷) زبردست طبیعت کے لوگ کہیں تو ڈھلے ہوئے مصرعوں اور مقررہ مضامین میں کچھ نہ کچھ توارد ہو گا۔ مثلاً ان طرحوں میں یہ مصرعے ممکن نہیں کہ متوارد نہ ہوں۔

"پیری میں یاد آئے گا عالم شباب کا"

"بدل گئے چمن روزگار کی صورت"

"فصلِ گُل دو چار دن فصلِ خزاں دو چار دن"

"یار کے رُخ پر نقاب دیکھئے کب تک رہے"

"یار کا رُخ بے نقاب دیکھئے کب تک رہے"

غرض جو عام مضمون یا ڈھلا ہوا مصرعہ ہوگا اس میں اکثر توارد ہوگا۔

(۸) کسی شعر کا مضمون دیکھا، وہ کمزور معلوم ہوا، خود چست باندھا مگر اصل میں وہ سست بندھا۔ جس نے دیکھا سرقہ بتلایا۔

اسی طرح صدہا وجہیں اور ہوں گی جن میں کچھ سے میں واقف ہوں اور کچھ سے اور حضرات واقف ہوں گے۔

شنیدم زدانا کہ دانش بسے است

ولیکن پراگندہ در ہر کسے است

بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک قادر الکلام اُستاد دس ہزار شعر کہے اور وہ مضمون چرائے اور یہ انصاف کے خلاف ہے کہ نیت سے قطع نظر کر کے اُستاد چرائے بھی تو چور نہ کہیں اور ایک نو آموز یا کم مشہور کا سونے کا مال بھی پیتل کا سمجھا کریں بلکہ استادوں کی تو یہ شان سے بعید ہے اور کم مشقوں کی طرف ایسا یقین کر لینا اتفاقات سے قطع نظر کر لینا ہے۔ اگر ہماری خاموشی سے کسی کی آبرو اور ہمارا وقار قائم رہے تو کیا نقصان ہے۔ جو اشعار میں نے اوپر سرقہ کی بحث میں نقل کئے ہیں خواہ وہ دونوں دو اُستادوں کے ہوں خواہ ایک

اُستاد کا ایک معمولی شاعر کا، خواہ دونوں معمولی شعرا کے۔ ممکن ہے کہ سرقہ کیا ہو۔ اور جائز ہے کہ توارد ہوا ہو مگر اکثر جا توارد معلوم ہوتا ہے۔ اور وجوہات نمبروار یہ ہیں۔ ۱۱۴ صفحہ پر جو نسیم، اور میر اور حافظ و سلمان کا توارد ہے۔ یہ دیوان جمع کرنے والوں کی غفلت ہے یا کاتب کی کرامت۔ والغیب عند اللہ۔ ۱۱۹ صفحہ میں میر اور جرأت کے شعر ایک زمین کے ہیں وہ زمین ہی ایسی ہے کہ آج مشاعرہ کیجئے تو بھی یہ شعر نہیں تو آخر کے مصرعے ہی آئیں۔ سراج اور فطرت کا ایک عام مضمون ہے جس کا دو خیالوں میں آجانا کچھ بھی دشوار نہیں اور ایسا کیا اعلیٰ مضمون ہے جو چرانے سے کچھ معتد بہ فائدہ ہو۔ میر اور ظفر کا ایسا مضمون ہے کہ پیش نظر ہے۔ ایک کیا دس جگہ میں نکال کر بتا دوں۔ ۱۱۹ صفحہ پر میر اور امیر کا دعا والا مضمون ردیف قافیہ کی مناسبت سے ایسا ہے کہ جس عمدہ شاعر کو دو ہی لکھے دوسرے ممکن ہے کہ امیر نے کم الفاظ میں باندھ کر بلاغت کا جوہر دکھایا ہو جس کو احمقوں نے سرقہ سمجھ لیا۔ مگر لفظ محبت جو امیر نے کم کیا وہ حشو بھی کم نہیں گھٹا بلکہ اپنا چرچا بھی اپنے ساتھ لے گیا۔

سرقہ کی تیسری قسم سلخ یا انتحال ہے کہ معنی بالکل بدل لیں اور الفاظ وہی ہوں یا الفاظ وہی نہ ہوں اور معنی وہی ہوں جیسے

چھڑک دے ہیں کے زخم جگر پہ او جراح
اگر ہے مشک گراں لون کا تو کال نہیں — رند

زخم دل پر مرے کیوں مرہم کا استعمال ہے
مشک گر مہنگا ہے تو کیا لون کا بھی کال ہے — ذوق

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستمگاری میں
کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں — صبا

ہزار جور ہوں ہیں ہر ستم میں جاں کے لئے
ستم شریک ہوا کوئی آسماں کے لئے — ذوق

میرے نزدیک سلخ کی عمدہ مثال یہ ہے۔

مقرر بلا آنے والی ہے کوئی (نسیم) نہیں بے سبب مہربانی تمہاری
کس لئے لطف کی باتیں ہیں پھر (شیفتہ) کیا کوئی اور ستم یاد آیا
ان اشعار سے بھی وہی عذرات متعلق ہیں جو میں نے پہلے
بیان کئے۔

سرقہ کی دوسری قسم غیر ظاہر ہے مگر جب ظاہر سرقہ کی یہ کیفیت ہے
تو غیر ظاہر کا تو کیا کہنا۔ ان اقسام کی تعریف تو یہی ہے لیکن امثلہ کو سرقہ اور
توارد کیونکر مقرر کریں۔ خواہ مخواہ استادوں کو بدنام کرنا بڑی سفاہت
اور کمالی بدنفسی ہے۔ لہٰذا یہ بحث ترک کی۔ انسان دانستا یاد
کرے اور توارد کو علم کے بعد کاٹ دے۔ کیونکہ زمانہ برا جاننے کو تیار ہے۔

قطعہ تاریخ پنڈت سورج بھان میکش تھانوی

لکھی ہے کیا کتاب پُر فائدہ تمنّا نے — محبوب شاعراں ہے بیشک بہ نقش زیبا
جو بات اس میں لکھی وہ اسطرح سے لکھی — گویا کہ بھر دیا ہے کوزہ میں ایک دریا
مطبوع طبع چھپ کر کیونکر نہ ہو جہاں میں — بر آئی آرزو دوستوں کی شکر خدا تمنّا
یہ تو یقیں ہے مجھکو شعر حسّاد کے دلوں پر — ناوک کا کام دے گا ایک ایک اسکا فقرہ

میکش جو کوئی پوچھے تاریخ طبع اسکی
کہدو ہے کتنا زیبا قانون شاعری کا
١٦ ھ ١٢

قطعہ تاریخ تاج العلما بحر العلوم جناب حکیم مولوی سید امیر حسین خان صاحب سہا محدث دہلوی برادر خورد حضرت تمنا

چون اخی اعظم من تازہ تالیفے نمود — دہ چہ تالیفے کہ آمد دلپذیر شاعراں

اے سہا تاریخ طبعش از رہ فرط انبساط
در سنین ہجری نوشتم دستگیر شاعراں
١٣ ھ ١٦

تمت بالخیر